اللہ
رسول
محمد

ماہنامہ المُرشِد

نومبر 2015ء
محرم الحرام / صفر المظفر ۱۴۳۷ھ

امن چاہتے ہو تو خود دنیا کو امن دو، تمہیں بھی امن ملے گا۔ (صفحہ نمبر 13)

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تُکْثِرُوا الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللہِ فَاِنَّ کَثْرَۃَ الْکَلَامِ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللہِ قَسْوَۃٌ لِّلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللہِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ (سنن الترمذی رقم الحدیث [illegible])

حضرت ابن عمرؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام مت کیا کرو کیونکہ ذکر الٰہی کے بغیر باتیں بنائے چلے جانے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو چکا ہو۔

SHEIKH ZAYED GRAND MOSQUE (UAE)

تصوف

تصوف کیا ہے؟

قرآنِ حکیم انسانی قلب سے مخاطب ہے۔ اس کا مہبط بھی قلب ہے اور اس کا اثر بھی قلب پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ سورۂ محمد کی چوبیسویں آیت ''یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں'' اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ قرآن میں تدبر کرنے کی صلاحیت بھی قلب ہی کو ودیعت کی گئی ہے۔ اس کی اس صلاحیت کو بعض اوقات گویا تالے لگ جاتے ہیں۔ سورۂ حج میں قلوب کے اندھے پن کی خبر دی گئی۔ کہیں قلوب پر زنگ آجانے کا بتایا گیا جس کا بھیانک نتیجہ قیامت کے روز اس صورت میں سامنے آئے گا کہ یہ زنگ دیدارِ الٰہی کے درمیان حجاب بن جائے گا (سورۃ المطففین)۔ قلوب کی سختی کا تذکرہ آیا تو ان کے پتھروں سے بھی گئے گزرے ہوجانے کی اطلاع دی گئی۔ تذبذب، بے یقینی، مایوسی، نفاق، حرص، طمع اور تکبر یہ تمام بیماریاں اس قلب کو لاحق ہوجاتی ہیں۔ اِن بیماریوں سے چھٹکارا تب ہی ممکن ہے اگر قلبی حیات کی اہمیت کا ادراک ہو اور ارادہ کیا جائے۔ اس شفا کے سفر کو تصوف کہتے ہیں۔ قلب کی صحت مندی کو قرآن نے اطمینانِ قلب کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ اطمینان کیا ہے؟ قلب کے حواس کا بحال ہونا، اس میں تدبر و تفکر کی صلاحیت ہونا، ایمان کی حلاوت چکھنا اور کفر، معصیت کی کڑواہٹ محسوس کرنا، قلبی بصارت کا بحال ہونا کہ انسان رہے تو دنیا میں لیکن آخرت میں اپنے اعمال کے نتائج کو دیکھے گویا قلب کا ہر طرح سے صحتمند ہوجانا ہی اطمینانِ قلب ہے۔ اس صحت کو پانے کا حتمی نسخہ سورۃ الرعد میں عطا کیا گیا ہے کہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد 28) یاد رکھو! اللہ کے ذکر سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں۔

اس نسخہ کو استعمال کرنے کے لئے کسی ایسے طبیب کی ضرورت پڑتی ہے جس نے طبیب اعظم ﷺ سے بالواسطہ سیکھا ہو اور کئی مریضوں کو استعمال کرا کر انہیں صحت یاب کر چکا ہو۔ ایسے طبیب کو مرشد کامل کہتے ہیں اور اس علاج کا نام تصوف ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ

المرشد

PS/CPL#15

نومبر 2015 محرم الحرام/صفر المظفر 1437ھ

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
سالانہ اجتماع کا اختتامی بیان	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
اکرم التفاسیر: الحج (58-69)	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	19
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	24
آداب ذکر	مولانا محمود خالد، بہاولپور	31
روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کے آداب	عامر ندیم، لاہور	36
تکبر اور عجب کا علاج	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	39
مسائل جمیلہ	محمد ادریس کھوکھر	43
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	45
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	47
طب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	49
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 3

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقی وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

اسلم صاحب
0303-4409395

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org/info
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى.......................ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. البقرہ:61

پھر ان سب انعامات کے باوجود تم کہنے لگے، اے موسیٰ یہ روزانہ ایک طرح کی خوراک کچھ مزہ نہیں دیتی اور اس طرح عمر گزارنا بہت مشکل آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کریں کہ کوئی زمینی پیداوار عطا کرے کوئی دال سبزی، کھیرا ککڑی ہو یا تھوم پیاز ہوں یہ کیا روزانہ کا لگا بندھا کھانا ہے بھئی! یہ ہمیں منظور نہیں۔

باوجود اس کے کہ یہ ایک بہت بڑی گستاخی تھی اور انتہائی ناشکری بلکہ نعمت کی ناقدری تھی مگر ہم نے تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے تمہیں بہت سمجھایا بجھایا کہ تم اعلےٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف کیوں جاتے ہو؟ یعنی صرف یہ نہیں کہ ملنے والا کھانا اعلیٰ ہے بلکہ اس کے ساتھ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں بطور خرق عادت نصیب ہوتا ہے اور خوارق میں انسانی محنت و کاوش کو دخل نہیں یہ محض اللہ کی طرف سے صادر ہوتے ہیں مگر جن چیزوں کے تم طالب بن رہے ہو یہ امور عادیہ کے تحت آتی ہیں اور امور عادیہ میں تمہیں بھی باقاعدہ محنت کرنی ہوگی کہ امور عادیہ بغیر سبب اور محنت انسانی کے حاصل نہیں ہوتے تو کیا عجب حال ہے کہ تمہارا کھانا بھی پہلے سے کم درجے کا ہو اور محنت بھی گلے پڑ جائے۔

شکار کا گوشت: پھر ایک بات اور بھی ہے کہ جب اللہ کی طرف سے بطور خرق عادت ملتا تھا تو خالص حلال تھا جب تم محنت کرو گے اور خود کماؤ گے تو کیا خبر کہاں نقص واقع ہو جائے اور اسے حرام یا مکروہ کر دے کہ جب انسانی لین دین ہوتے ہیں تو عموماً کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ اس لئے مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ شکار کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا شکار کا گوشت اطیب الرزق ہے جو براہ راست اللہ سے مل جاتا ہے کسی آڑھتی یا دکاندار کا اس میں دخل نہیں۔

ان تمام باتوں کو سن کر بھی تم اپنی بات پر اڑے رہے۔ حال تمہارا یہ تھا کہ کہتے تھے موسیٰ! اپنے رب سے کہو یعنی موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے تمہارا رب نہیں۔ یہ تک توفیق نہ ہوئی کہہ دیتے ہمارے رب سے سوال کرو مگر ہم نے پھر بھی تم پر احسان فرمایا اور تمہاری خواہش پوری کر دی حکم دیا چلو کسی بستی میں داخل ہو جاؤ وہاں تمہیں یہ سب ملے گا اور پھر ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی یعنی مشقت زیادہ اور آمدن و آرام کم۔ پھر یہ ذلت ہمیشہ کے لئے اور احتیاج بھی ابدی کہ طبائع میں وہ اولوالعزمی نہ رہی ایک تو کاشتکاری کا پیشہ ایسا ہے کہ عموماً کام کرنے والے غریب ہی رہتے ہیں اور پھل دوسرے کھاتے ہیں۔

یہود کے تو مزاج میں ذلت ہی ذلت ہے کہ رئیس ترین یہودی بھی مسکین ہی بنا پھرے گا نیز ہمیشہ کے لئے حکومت و سلطنت سے محروم ہوں گے ہاں الا بحبل من اللہ وحبل الناس یعنی کوئی اللہ کی طرف سے اس مصیبت سے کسی حد تک مامون ہو یا کسی دوسرے انسان یا قوم کے آسرے پر چند روز کی چودھراہٹ بنا بیٹھیں، جیسے موجودہ اسرائیل کی ریاست کہ درحقیقت امریکہ اور برطانیہ کی چھاؤنی کی حیثیت رکھتی ہے جو صرف مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور انہیں الجھائے رکھنے کے لئے بنائی گئی ہے ورنہ اس دور سے اب تک اور اب سے ہمیشہ تک یہودی جہاں بھی رہے ذلیل و خوار اور دوسروں کے سہارے رہے اور رہیں گے۔

اداریہ

الله رسول محمد

میری قوم کا اقبال

اردو زبان کی تاریخ تقریباً ہزار سال کے لگ بھگ ہے۔ چونکہ اس وقت کے بڑے لشکر حرب عربی، فارسی، پشتو اور ہند میں بولی جانے والی زبانوں کے حامل لوگوں سے مرتب ہوئے۔ لامحالہ ترجمانی کے لیے ہر زبان کے الفاظ استعمال ہوئے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ لشکری زبان "اردو" کے نام میں ڈھل گئی۔

لفظ 'اقبال' کا مصدر عربی لفظ قبل ہے جو کہ اچھائی، بہتری کے قبول کرنے یا بلندی کے پانے وغیرہ کے معانی میں مستعمل ہے اور جب اردو لغت میں لفظ 'اقبال' کے معنی دیکھے جائیں تو خوش بختی، خوش حالی اور عروج کے ملتے ہیں۔ لفظ 'اقبال' کا متضاد 'ادبار' ہے جو کہ بدبختی، بدحالی اور تنزلی کے معانی میں آتا ہے۔

جب ہم یہ کہیں گے کہ میری قوم کا "اقبال" تو لامحالہ لفظ کا ترجمہ مجسم ہو کے علامہ محمد اقبال کی صورت میں ہمارے سامنے آئے گا۔ آپ 9 نومبر 1877 بمطابق 3 ذیقعد 1294ھ ہندوستان کے شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سے کالج تک تعلیم وہیں حاصل کی پھر لاہور، یورپ اور انگلستان تک علم کی تشنگی مٹاتے چلے گئے۔ سکول کے آخری اور کالج کے ابتدائی ایام سے ہی تاریخ آپ کے شاعرانہ ذوق کی گواہ ہے۔ فلسفہ اور قانون دانی آپ کی پسند نظر آتے ہیں۔ درس و تدریس میں آپ کی خدمات ہمیشہ آپ کی بلندیٔ فکر کی عکاسی کرتی رہیں گی۔

آپ کی شہرۂ آفاق تصانیف 14 کے لگ بھگ ہیں۔ آپ کی تصانیف کی جانے کتنی ہی تشریحات کی جا چکی ہیں اور آئندہ بھی کی جاتی رہیں گی۔ آپ کے خطابات میں سر (Sir)، علامہ اور قومی شاعر تک کے الفاظ شامل ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم قرآن پاک سے شروع ہوئی اور زندگی کی انتہا، تمام پیچ و خم سے ہوتی ہوئی، عشق مصطفی ﷺ پر پہنچی۔ نوجوانی اور مشرق و مغرب کے نازک سانچوں سے گزرتے ہوئے بھی باکردار رہے جس کی عکاسی آپ کا یہ شعر کرتا ہے۔

باچنیں زور جنوں پاس گریباں داشتم
درجنوں از خود نہ رفتن کار ہر دیوانہ نیست

(جنون کے اس زور میں بھی میرا گریبان کبھی چاک نہ ہوا
یہ ہر دیوانے کے بس کی بات نہیں کہ جنون میں بھی آپے سے باہر نہ ہو)

آپ کے جذبۂ خودی کی بات ہو، آپ کے مردِ مومن کی بات ہو، آپ کی مغربی تہذیب پر آراء ہوں یا آپ کے عشق مصطفیؐ کی جھلک غرض آپ کی پوری سوانح حیات ہی کیوں نہ کھول کر دیکھ لی جائے آپ نے اپنے تئیں پوری کوشش کی کہ امت کو درخشاں عہدِ رفتہ کی یاد دلائیں اور خاص طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کو ذہنی آزادی سے آشنا کریں۔ خصوصاً 38-1924 تک کے انتہائی زبوں حالی کے دور میں آپ نے قومی شعور کو جگانے کی اتنی کوشش کی کہ آپ تو نہ رہے مگر وہ قومی شعور وطن عزیز کی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔ 1930 میں الٰہ آباد کے صدارتی خطبہ میں آپ نے دو قومی نظریہ پیش کیا اور یہی نظریہ مسلم لیگ کو دوبارہ متحرک کرنے کا سبب بنا اور آج ہم ایک آزاد وطن کے باسی ہیں۔

آج ہمیں آزاد ہوئے 68 سال ہو چکے ہیں۔ کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ اس ملک کی بنیاد بنانے میں کیسے کیسے زیرک لوگوں کی انتھک محنتیں صرف ہوئی ہوں گی؟ اس کی بنیادوں میں کتنی بہنوں کی عزتیں قربان ہوئی ہوں گی؟ کتنے بیٹوں کی جانوں کے نذرانے دیے گئے ہوں گے؟

میں نے اور آپ نے دینا کیا ہے، ہم نے تو اپنے اجداد کی اقدار تک کو کھو دیا۔ آج ہر فرد اپنے حقوق کی بات کرتا ہے کسی کو فرائض یاد نہیں۔ کردار دیکھو، گفتار دیکھو، معاشرت دیکھو، معیشت دیکھو، حلیے دیکھو، لباس دیکھو کیا مسلمان معاشرے ایسے ہوتے ہیں۔ ہمارے اجداد نے خود قربان ہو کے ہمیں آزاد ملک دیا، ہم اپنی اولادوں کو کیا دیے جا رہے ہیں! سوچو! اے میری قوم! روزِ محشر ہوگا، اللہ پاک کا دربار ہوگا، ہمارا کردار ہوگا اور شفاعت محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ علامہ اقبال ہمیں اُس دن کی یاد بھی کچھ اس طرح دلا گئے ہیں۔

مکن رسوا حضور خواجہ مارا
حساب من ز چشم او نہاں گیر

(حضورؐ کی بارگاہ میں مجھے رسوا نہ کیجیے
میرا حساب ان کی نگاہ سے بچا کر لیجیے)

آج جب میں اپنے معاشرے کو ادبار کی راہ پر دیکھتا ہوں تو فقط اک آہ نکلتی ہے۔

میری قوم کا 'اقبال' کہاں ہے!

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ ○ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

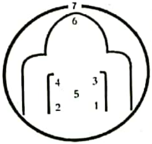

پہلا لطیفہ: بکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن وخاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

کلامِ شیخ

شیخ المکرّم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیماب اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

درج ذیل کلام ''کون سی ایسی بات ہوئی ہے'' سے لیا گیا ہے

نعت

درج ذیل کلام ''حمد و نعت'' سے لیا گیا ہے

نعت

تیری یادوں کا چمن دل میں بسایا میں نے
راز جینے کا تری یاد سے پایا میں نے

بوسے مٹی نے دیے تیرے قدم کو آقا
خاک بطحا کو ہے آنکھوں سے لگایا میں نے

مجھے معلوم ہے لپٹا تھا یہ تجھ سے آقا
دَرِ کعبہ کو بھی سینے سے لگایا میں نے

میں تو ذرّہ ہوں میری ذات میں کیا رکھا ہے
تیری نسبت ہی سے پایا ہے جو پایا میں نے

دیکھوں اس شہر مقدس کی جھلک پھر اک بار
رختِ بے مایہ ہے کاندھے پہ اُٹھایا میں نے

نام تیرا تھا لب پر دمِ رخصت میرے
مال دنیا سے یہ سیماب کمایا میں نے

اقوالِ شیخ

1- اللہ کی تقدیر کو، اللہ کے احکام کو ماننا تسلیم ہے، اللہ کی تقسیم پہ راضی رہنا رضا ہے۔(بیان مورخہ 27 جولائی 2014)

2- جس طرح بدن کی حفاظت کے لیے مضرِ صحت چیزوں سے احتیاط ضروری ہے اسی طرح روح کی حیات کے لیے اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے احتیاط ضروری ہے۔(بیان 14-6-18)

3- عظمت رسالت پناہیؐ کو جتنا کوئی جانتا جائے اسے اپنے عجز کا اتنا احساس ہوتا جاتا ہے کہ یہ میرے علم کی حدود سے باہر ہے۔(بیان ماہانہ اجتماع 15-1-4)

4- وسوسہ کا علاج صرف یہ ہے کہ وسوسہ آئے تو اس کی پروانہ کریں تو وسوسہ خود ختم ہو جاتا ہے۔(بیان 18-6-2014)

5- ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم ہمیشہ تجزیہ دوسروں کا کرتے رہتے ہیں، ترازو ہاتھ میں ہوتا ہے، تولتے دوسروں کو رہتے ہیں۔(بیان ماہانہ اجتماع 4-2015-1)

6- ایسے امور جن سے کچھ حاصل نہ ہو اور وہ محض وقت کا ضیاع ہوں مومن ان سے اس لیے اعراض کرتا ہے کہ داردنیا میں سب سے قیمتی دولت وقت ہے۔ یہ وقت قرب حق کی تلاش کے لیے ہے (اکرم التفاسیر سورۃ المومنون آیت 4)

7- قرآن کے ہر لفظ میں اس کی اپنی ایک لذت ہے اس میں عظمت الٰہی بھی ہے، اس میں برکات نبوت ﷺ ہیں۔ یہ تجلیات باری کا بھی امین ہے اور نور نبوت ﷺ کا بھی امین ہے۔(بیان ماہانہ اجتماع 8 فروری 2015 المرشد اپریل 2015)

8- عمل میں صلاحیت کی شرط یہ ہے کہ اللہ کا حکم ہو اور نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔(اکرم التفاسیر جلد ا۔ البقرہ تفسیر آیت 82)

9- جادوگروں اور شیطان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اپنے آپ سے، اپنے کردار سے، اپنے گناہوں سے ڈرنا چاہیے اور ہر وقت اللہ کریم سے معافی طلب کرنا چاہیے۔(اکرم التفاسیر۔ سورہ البقرہ تفسیر آیت 103)

ماہانہ بیان

6 ستمبر 2015

ذکرِ الٰہی کی اہمیت

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ○

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (190) اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (191) رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (192)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ○

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں صاحب خرد لوگوں کے لیے یقیناً بہت نشانیاں ہیں، بہت دلائل ہیں۔ اللہ جل شانہ، اس طرف متوجہ فرما رہے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو دیکھو کس طرح ایک ایک سیل (Cell) جوڑ کر ہر چیز بنی ہے۔ یہ کرۂ ارض جس پر ہم موجود ہیں، اس پر انسان نے مادی سائنس میں بڑی ترقی کی اور یہ مادی سائنس کی صدی ہے۔ بیسویں صدی کے نصف کے بعد مادی ترقی بہت زیادہ تیزی سے شروع ہوئی اور اب اکیسویں صدی میں تو بہت کمال کو پہنچ چکی ہے۔ آخری انتہائی دریافت اور آخری بہت بڑا کمال جو انسان نے کیا وہ یہ تھا کہ زمین کا سب سے چھوٹا ذرہ جو ٹوٹتا جائے، ٹوٹتا جائے، اور اتنا باریک رہ جائے کہ آگے تقسیم نہ ہو سکے، پھر آگے وہ دو نہ بن سکے، اُسے ایٹم کہا گیا۔ جب اُسے توڑا گیا تو اتنا بڑا دھماکہ ہوا کہ میلوں تک تباہی آگئی اور برسوں تک رہی۔ یہ تو ساری زمین ہی اِن ذرات سے بنی ہوئی ہے پھر اگر کبھی یہ پھٹ جائیں تو کیا ہوگا؟ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ جو تم سمجھتے ہو کہ جمے ہوئے ہیں، ہوا میں بادلوں کی طرح اُڑیں گے، ریزہ ریزہ ہو کر بکھریں گے، سمندر خشک ہو جائیں گے، آسمان پھٹ جائیں گے، سورج جھڑ جائے گا، چاند ستارے گر جائیں گے، کائنات کا سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ تو گویا ہم ایک بہت بڑے بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہیں وہ جب چاہے اسے تباہ کر دے۔ دوسری طرف دیکھیے تو یہی ذرات کائنات کو حیات دے رہے ہیں، یہی ایٹم، یہی سیل قدرت باری کی وجہ سے مختلف شکلیں اختیار کر کے کہیں غذا بن رہے ہیں، کہیں دوا بن رہے ہیں۔ یہ ہوائیں فضا بنا رہی ہیں۔ یہ سورج، چاند ستارے سب زمین کی طرف متوجہ ہیں۔ آسمان اور آسمانوں کے باسی زمین کے انتظام و انصرام میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن کبھی آپ غور فرمائیں تو پتا چلتا ہے کہ مدارِ حیات دینے پر ہے۔ ہر ذرہ اپنی حیثیت کے مطابق دے رہا ہے۔ ہوائیں چلتی ہیں تو کچھ دیتی ہیں۔ سورج نکلتا ہے تو گرمی، روشنی جو کچھ اللہ نے اس کے ذمے لگایا ہے وہ کائنات کو دیتا ہے، وہ شعاعیں زمین پہ پہنچتی ہیں تو زمین کچھ دیتی ہے، پھل دیتی ہے، فصلیں دیتی ہیں، چیزیں اُگاتی ہے یعنی ایک عجیب خوبصورت نظام اللہ کریم نے بنایا ہے کہ جس کا ہر ذرہ کچھ نہ کچھ دے رہا ہے، اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے سورج، چاند وغیرہ کو مقرر راستوں پہ لگا دیا اور اس پہ وہ مسخر ہیں۔ کب سے بنائے، کب سے لگائے؟ آج تک اپنی ڈیوٹی دے رہے ہیں، اپنا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ کوئی تاخیر نہیں کرتے، وقت سے پہلے

نہیں جاتے، ہر چیز اپنا اپنا حصہ دے رہی ہے تب یہ نظام کائنات قائم ہے۔ جب یہ تباہ ہوگا تو چیزیں دینا چھوڑ دیں گی سورج روشنیاں نہیں دے گا، چاند چاندنی نہیں دے گا، بارشیں نہیں برسیں گی بلکہ ہر چیز تباہ ہونا شروع ہوجائے گی۔

اسی طرح ہماری زندگی شب و روز سے قائم ہے۔ دِن آتا ہے تو اپنی مصروفیات دیتا ہے۔ صبح ہوتی ہے تو آدمی نئی قوت سے اُٹھتا ہے، اپنے کام پہ چلا جاتا ہے۔ رات ہوتی ہے آرام کرتا ہے تو وہ دن بھر کی تھکاوٹ دور کردیتی ہے۔ اِسی طرح زمین کی ساری روئیدگی میں شب و روز کا اثر ہے۔ اگر دن ہی دن رہے تو چیزیں اُگ نہ سکیں، رات ہی رات رہے تو پھل پھول نہ لگ سکیں۔ تو فرمایا وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّھَارِ یہ شب و روز کا اختلاف، یہ بھی زندگی کی نوید دیتا ہے، یہ بھی راہنمائی کرتا ہے، یہ بھی اللہ کی نشانی ہے کہ جینے کا ڈھنگ کیا ہے۔ اللہ کریم کی کائنات ہے وہ کسی ایک فرد کے غلط کرنے سے رکتی نہیں ہے۔ کسی فرد کی اس میں کوئی حیثیت نہیں بنتی کہ وہ سارے نظام کے پہیے کو روک دے لیکن ہوتا کیا ہے؟ جو الٹ چلتا ہے یا اپنی رفتار درست نہیں رکھتا یا اپنا فریضہ ادا نہیں کرتا وہ خود ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، پس جاتا ہے کیونکہ اتنے بڑے نظام کو وہ روکنے سے تو رہا۔ نظام تو چلتا ہے جو رکاوٹ بننے کی کوشش کرتا ہے وہ خود ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، پس جاتا ہے۔ ہمارا آج کا مسئلہ بھی یہ ہے کہ ہر بندہ پریشان ہے، ہر بندہ۔ کیا پرابلم Problem ہے، کیا مصیبت ہے، کیوں پریشان ہے؟ کبھی کسی نے غور کیا کہ جو حقوق میرے ذمے ہیں کیا وہ میں ادا کر رہا ہوں؟ اگر نہیں ادا کر رہا تو وہ خود اس نظام کی مخالف سمت چل رہا ہے۔ اب جب اتنا بڑا نظام چل رہا ہے تو جو فرد مخالفت کرے گا وہ خود پس جائے گا۔ تو جو اس نظام کے مخالف چلے گا ظاہر ہے اُسے پریشانیاں بھی ہوں گی، مصیبتیں بھی ہوں گی، وہ پس جائے گا اور جو اپنا فرض ادا کرے گا، مالک اُسے حقوق سے محروم نہیں رکھتا۔ حقوق دینا اُس مالک کا کام ہے، ہمیں اپنا فرض ادا کرنا ہے پھر دیکھو وہ کیا کرم فرماتا ہے۔

اَب اگر ہم اپنا فریضہ ادا نہ کریں۔ جیسے آپ دیکھ لیں ہمارے ہاں ہر روز ہڑتالیں ہوتی ہیں کہ ہمارے حقوق دو۔ کبھی کسی نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا کی کہ میں اپنا فرض تو ادا کروں۔ کبھی کوئی جلوس نکلا کہ ہم اپنا فرض پوری طرح ادا کریں گے، پوری محنت سے ادا کریں گے۔ ہماری سیاسی جماعتیں ہیں، نئے نئے سیاست دان داخل ہو رہے ہیں، اچھی بات ہے کہتے کیا ہیں؟ آ کر عوام کو حقوق دلاؤں گا، سبحان اللہ! حقوق کیسے دلاؤ گے جب عوام فرائض ادا نہیں کر رہے تو حقوق کہاں سے پائیں گے۔ کوئی قیادت ایسی نہیں آئی جو یہ کہے کہ میں عوام کو شعور دوں گا، تعلیم دوں گا، سمجھاؤں گا، ہر بندہ اپنا فرض ادا کرے، اپنے حق کی امید رکھے۔ اب یہ جو دفتر بند کر کے سڑکوں پہ کھڑے احتجاج کر رہے ہوتے ہیں، ان کا کام بند کرنے سے کتنے لوگوں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ یہ جو حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں اپنا کام چھوڑ کر خود کتنے لوگوں کے حقوق غصب کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہم دھڑے سے اکھڑ گئے ہیں۔ میں ٹیلی ویژن پر ایک سیاستدان کی بات سن رہا تھا، اس سے اینکر نے پوچھا کہ زندگی میں آپ کا رول ماڈل Role Model کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرا رول ماڈل نیلسن منڈیلا ہے، یعنی اسے نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے نہ خلفائے راشدینؓ نظر آئے، نہ اُسے اکابرینِ امتؒ نظر آئے، نہ اُسے علمائے حقؒ نظر آئے، نہ اُسے اولیاء اللہؒ نظر آئے، اُسے تاریخ میں ایک غیر مسلم نظر آیا نیلسن منڈیلا۔ اسی طرح میں ایک اور سیاستدان کی بات سُن رہا تھا تو اینکر نے کہا، سنا ہے آپ بہت مطالعہ کرتے ہیں اور بڑی کتابیں آپ پڑھتے ہیں، آپ کو پڑھنے کا بڑا شوق ہے تو کون سی کتاب سب سے بہترین ہے۔ اس نے کسی مستشرق کی انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب کا نام لیا کہ یہ بہترین کتاب ہے۔ اینکر نے اسے کہا کہ ایک سطر میں اُس ساری کتاب کا خلاصہ بتاؤ تو وہ کہنے لگا، اس کا خلاصہ ایک سطر میں یہ ہے کہ یہ کہتی ہے کہ اگر ملک میں معاشی عدل قائم نہ کیا جائے تو امن قائم نہیں ہوتا، ملک ترقی نہیں کرتا۔ یہ بات کس کی ہے؟ یہ تو قرآن کی بات ہے، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لیکن اُسے نہ قرآن نظر آ رہا ہے نہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ رہا ہے، نہ خلفائے راشدین، ہم پتا نہیں کس

طرح سوچتے ہیں، پتا نہیں ہم کہاں جا رہے ہیں۔ تعلیمی نصاب میں جتنی کچھ معلومات دین اور بزرگانِ دین کے بارے میں انگریز نے رکھی تھیں، اُس نے کم ترین کر کے رکھی تھیں۔ ماشاء اللہ اسلامی حکومتیں، مسلمانوں کی حکومتیں وہ بھی نکال رہی ہیں اور نئے نصاب جو بن رہے ہیں ان میں ان کی جگہ، اکابرین امت کی جگہ مستشرقین کو، اہل مغرب کو ڈالا جا رہا ہے۔ پھر شور کیا ہوتا ہے؟ ہمارے حقوق غصب ہو گئے ہیں۔ تم فریضہ کون سا ادا کر رہے ہو؟ حقوق تو فرض کی ادائیگی پر قائم ہوئے ہیں۔ جب آپ اپنا فریضہ دیانت و امانت سے ادا کرتے ہیں تو اس پر آپ کا حق مرتب ہوتا ہے۔ کون سا درخت ہے جو کوئی بندہ لگائے، اس کی آبیاری کرے پھر وہ پھل نہ دے۔ آپ اپنا فریضہ ادا کریں، وقت پر آپ کو پھل مل جائے گا۔ تو زندگی کا مدار دینے پر ہے۔ خود اپنے وجود میں دیکھ لیں، دل خون پمپ کرتا ہے تو ایک ایک سیل (Cell) تک جاتا ہے، کہیں کسی جگہ وہ روک لیا جائے کہ ہم نے دینا نہیں ہے، تو اس سے آگے کا جسم گل سڑ جائے گا۔ آپ ایک بازو پر کس کر پٹی باندھ لیں کہ اُس سے بلڈ (Blood) آگے نہ جائے تو اگلا حصہ گل سڑ جائے گا، حیات ختم ہو جائے گی۔

سارا نظام حیات جو کام کر رہا ہے اس بات پر ہے کہ آپ کیا دے رہے ہیں۔ ایک فرد خود اپنے آپ کو کیا دیتا ہے، اپنے لیے کیا بہتری سوچی ہے، اولاد کو کیا دیتا ہے، والدین کو کیا دے رہا ہے، اڑوس پڑوس کو، علاقے کو، شہر کو، ملک کو، قوم کو، بین الاقوامی انسانیت کو کیا دے رہا ہے؟ ہر قول و فعل یا نور پیدا کرتا ہے یا ظلمت۔ بندہ جو کچھ کرتا ہے اس کے نتیجے میں سیاہی پیدا ہوتی ہے یا روشنی۔ اور یہ ایک سارا نظام ہے کہ آپ ایک تالاب میں کنکر پھینکیں تو جو لہریں اُٹھتی ہیں وہ دوسرے کنارے تک جاتی ہیں۔ جب اِس کائنات بسیط میں جب کچھ کہتے یا کرتے ہیں اس کا جو اثر ہے ساری کائنات میں پھیلتا ہے۔ آج کے انسان کا کردار دیکھیں، اندازہ کریں کیا یہ معاشرے کو روشنی اور نور دے رہا ہے یا ظلمت دے رہا ہے۔ یہ جو تباہیاں ہم پر آ رہی ہیں اس کا سبب ہم خود ہیں چونکہ ہم سب لینے پر آ گئے ہیں، ہماری ساری کوشش اس پہ محدود ہو گئی ہے کہ میں کیا لے سکتا ہوں، کہاں سے مجھے کیا ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کیا لیا بلکہ کائنات کو دیا، صحابہ کرامؓ کو جو انعامات ملے جو نعمتیں، جو نور، جو روشنی، جو ہدایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی، بغیر اس لالچ کے کہ ہمیں اس سے کیا ملے گا، روئے زمین کو دی، تقسیم کی، آگے پہنچائی، تو مدار حیات دینے پر ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ آسمانوں کی تخلیق میں، زمین کی بناوٹ اور اس کے اثرات میں، رات اور دن کے آنے جانے میں بڑے دلائل ہیں، بڑی نشانیاں ہیں لیکن لِاُولِی الْاَلْبَابِ (190) لیکن صاحب خرد لوگوں کے لیے ہیں۔ جسے شعور ہی نہ ہو اُسے دلیل کیا قائل کرے گی، دلیل بھی تو اہل خرد کے لیے ہوتی ہے جو بات کو سمجھ سکیں، بار الہا: یہ دانشور یہ صاحب خرد، یہ اولی الالباب یہ کون لوگ ہیں؟ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ہر حال میں مجھے یاد رکھتے ہیں۔ انسان کی تین ہی حالتیں ہوتی ہیں، کھڑا ہوتا ہے، بیٹھا ہوتا ہے یا لیٹا ہوتا ہے۔ فرمایا! کسی حال میں میری یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں، سارا کاروبار حیات کرتے ہیں، انسانی زندگی کو انسانی اصولوں کے مطابق بسر کرتے ہیں۔ کماتے بھی ہیں کھاتے بھی ہیں، خرچ بھی کرتے ہیں، پوری زندگی بسر کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ کوئی لمحہ میری یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ اور یہ جو ذکر دوام ہے کہ ہر حال میں ذکر کیا جائے، ذکرِ قلبی کے علاوہ ممکن نہیں ہے، ایمان لانا بجائے خود ذکرِ الٰہی ہے، ہر نیک جملہ ذکر الٰہی ہے، پھر تلاوت تسبیحات، درود شریف بہت اعلیٰ درجے کے ذکر الٰہی ہیں۔ ہر کام جو شریعت کے مطابق کیا جائے وہ عملی ذکرِ الٰہی ہے، عملاً ذکر ہے کیونکہ اس کے ساتھ اللہ کی یاد وابستہ ہے۔ یہ کام ایسے کیوں کر رہے ہو؟ یہ اللہ کا حکم ہے، اس سے اللہ کی یاد وابستہ ہے۔ یہ عملی ذکر ہے۔ عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ بندہ سو جاتا ہے، بیہوش ہو جاتا ہے، زبان بھی خاموش ہو جاتی ہے تو ہمہ وقت تو نہ رہا قلب جب ذاکر ہوتا ہے اور جسم کے ذرے ذرے کو ذاکر کر دیتا ہے تو یہ خاموش نہیں ہوتا، یہ تب جا کر رکتا ہے جب موت آ جاتی ہے۔ اب جب موت آنی ہے تو قلب کی دھڑکن رکتی ہے، ذکر

نہیں رکتا۔ قلب جب ذاکر ہوتا ہے تو ساتواں لطیفہ سلطان الاذکار، بدن کے ایک ایک سیل کو ذاکر کر دیتا ہے یعنی دس کھرب سیل ذاکر ہوجاتے ہیں اور ہر لمحے ایک انسان کے وجود سے دس کھرب بار اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ کسی کو اگر سات لطائف حاصل ہوجائیں یہ بہت غیر معمولی بات ہے، بہت غیر معمولی بات ہے کہ ایک فرد ہر لمحے میں دس کھرب بار اللہ کا نام لے۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ کھڑے بیٹھے لیٹے یعنی ہر حال میں ہمہ وقت ذکر کرتے ہیں۔ ذکر کا کمال یہ ہے کہ دل جب زندہ ہوتا ہے تو آنکھ تب کھلتی ہے پھر وہ تفکر کرتے ہیں پھر وہ سوچتے ہیں فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ پھر وہ سوچتے ہیں یہ بات جو اتنی کر چکے ہیں، یہ ساری تب آنکھوں کے سامنے آتی ہے۔ پھر وہ دیکھتے ہیں کہ آسمان، سورج، چاند ستارے کیا کر رہے ہیں، زمین کیا کر رہی ہے، شب و روز کی آمد و شد کے کیا نتائج نکل رہے ہیں۔ اتنا بڑا وسیع نظام جو ایک ایک ذرے سے جڑا ہوا ہے، ہر ذرہ ہمہ وقت اپنا فرض ادا کر رہا ہے پھر اُن کی زبان پر آجاتا ہے رَبَّنَا اے ہمارے پیدا کرنے والے، اے ہمارے رب، ہمارے پروردگار مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ اتنا وسیع نظام بے فائدہ، بغیر مقصد کے نہیں بن سکتا۔ اتنا وسیع نظام اتنی بڑی کائنات اور اُن کے آپس میں رشتے اور تمام تر چیزیں آپس میں ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ ان کو فضول پیدا نہیں فرمایا گیا۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نظام کو کچھ دے گا یا بہتر کرنے کی کوشش کرے گا وہ کامیاب ہوگا، جو اس کے خلاف خرابی کرنے کی کوشش کرے گا وہ خود پس جائے گا اور نتیجہ بھی پائے گا، آگ کا عذاب ہوگا۔ جب اتنے بڑے نظام کا کوئی ذرہ، کوئی چیونٹی، کوئی ذی روح، کوئی درخت، کوئی پتا بلا مقصد نہیں ہے تو یہ سارا نظام بلا مقصد کیسے ہوسکتا ہے۔ ہر چیز کا نتیجہ ہم دیکھتے ہیں، ہر کام کا اور بات کا نتیجہ بھی تو اس کائنات کا بھی تو کوئی نتیجہ ہوگا۔ میرے پروردگار! اس وقت مجھے آگ سے بچالینا اس لیے کہ اے پروردگار! جس کو تونے آگ میں داخل کیا اس کو رسوا کر دیا۔ اس سے بڑی ضلالت کیا ہوگی رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (192) اور ظلم یعنی اُلٹا کام کرنے والوں کا کوئی معاون و مددگار نہیں ہوگا۔ قرآن کریم کا منشا یہی ہے کہ جنہیں ذکر نصیب ہوجاتا ہے وہ اس کائنات کو، اس معاشرے کو، اس ماحول کو کچھ دینے پہ آجاتے ہیں، دیتے ہیں، لیتے صرف اللہ سے ہیں۔ اب ہمارے ہاں مصیبت یہ ہے کہ ہر کوئی، ہر طبقے کا فرد سوچتا ہے کہ مجھے ملے گا کیا؟ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ میں دے کیا رہا ہوں یا میں دے کیا سکتا ہوں جب کہ نظام حیات کا مدار کچھ دینے پر ہے یعنی ہر کوئی اپنا اپنا فرض ادا کرے تو جو ایک بندے کا فرض ہوتا ہے وہ دوسرے کا حق بن جاتا ہے۔ اسی طرح جو آپ کے حقوق ہیں وہ دوسرے کے فرائض ہوں گے۔ اسی طرح جب سب اپنے اپنے فرائض پورے کریں گے تو سب کو اپنے اپنے حقوق بھی ملتے رہیں گے لیکن کتنا فرق پڑتا ہے برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی جس طرح نظام کائنات ہے سورج غروب ہوجاتا ہے، مغرب کی اذان ہوجاتی ہے لیکن ابھی افق پہ روشنی ہوتی ہے، آہستہ آہستہ تاریکی چھاجاتی ہے روشنی غائب ہوجاتی ہے، اسی طرح عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی دوری ہوتی جاتی ہے اتنی لوگوں میں، اتنی دِلوں میں، اتنی ہمارے اندر کمزوری آجاتی ہے۔ مثالی انسان تو تھے ذاکرین، جن کی نگاہ انجام کائنات پہ ہوتی ہے جو ہمہ وقت ذکر کرتے ہیں پھر اس نظام میں غور کرتے ہیں، تفکر کرتے ہیں، پھر انجام پر اُن کی نظر پہنچ جاتی ہے۔ یا اللہ! یہ سب کچھ تونے بیکار پیدا نہیں کیا اب جب اس کا نتیجہ نکلے تو مجھے مجرموں میں کھڑا نہ کرنا۔ مجھے توفیق دے کہ میں اِن لوگوں میں ہوں کہ جو اپنا فرض ادا کرتے ہیں جو تیرے انعام کے مستحق ہیں۔

اب ہم آج کی حالت دیکھیں کہ معاشرے میں بہترین لوگ تو ذاکرین ہونا چاہییں، ذاکرین میں بھی اتنی کمزوری آگئی ہے کہ ذکر رات دن کرنے کے بعد بھی کچھ لینے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ کس سے کتنے پیسے لے لوں، کون کتنی دفعہ میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگاتا ہے، کون میرے ہاتھ چومتا ہے، کون مجھے بڑا بزرگ سمجھتا ہے۔ یار یہ ساری چیزیں اِن سب سے اوپر جانے کے لیے تو ذکر کیا تھا یعنی کچھ لینے کی جو حد ہے اس سے اوپر جا کر کچھ دینے والا بننے کے لیے تو ذکر اذکار شروع

کیے تھے اور پھر کیا ہم اتنے ہی بدنصیب ہیں کہ ہم پھر لینے پہ ہی آ گئے۔ ایک مریض ہوتا ہے کہ اُس کی غذا ایسی ہے کہ مضرِ صحت، خراب ہے کہ بے چارہ نہیں بچتا، ایک کو بہترین غذا اور بہترین دوا بھی دی جائے اور پھر وہ اُسی مرض میں مبتلا ہو تو پھر تو اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اہل اللہ کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسروں کا بوجھ بانٹتے ہیں، اُن پر بوجھ نہیں بنتے۔ کچھ دیتے ہیں، لینے کی تمنا صرف اللہ سے رکھتے ہیں۔ پتا ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اللہ سب کو ہدایت پر قائم رکھے نیکی کی توفیق دے اور خلوص عطا کرے اور سب کی محنت قبول کرے لیکن تجربہ یہ ہے کہ بعض صاحبِ مجاز حضرات یہاں ساتھیوں کو بھیجتے ہیں کہ فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کرا دیں۔ بھیجتے اس لیے ہیں کہ اس کی بیعت کرا دیں اور انہوں نے اس پر محنت کی ہوتی ہے۔ مہینوں، سالوں ایک ایک مراقبہ کرا کے فنافی الرسول تک پہنچایا ہوتا ہے۔ وہ بندہ جب یہاں آتا ہے تو اس کی تو احدیت بھی نہیں ہوتی۔ وہ غلط نہیں کہتے، انہوں نے محنت کی، اس کے ساتھ مہینوں لگائے یا برسوں لگائے۔ ایک ایک مراقبہ اُسے کرایا اور سمجھا کہ اب یہ بیعت کے قابل ہے تو یہاں بھیج دیا۔ جب یہاں آیا اُسے ساتھ بٹھا کر ذکر کرایا تو پتا چلا کہ اس کے پاس تو کوئی مراقبہ ہے ہی نہیں۔ کیوں؟ قصور کس کا ہے؟ قصور اُس صاحبِ مجاز کا ہے۔ اُس کے دل میں کچھ لینے کی بات آ گئی۔ جب لینے کا خیال صوفی کے دل میں بھی آ جائے تو دینے کا کمال اس سے رخصت ہو جاتا ہے وہ اپنے طور پر اُسے مراقبات کراتا رہا لیکن اُسے ہوئے نہیں۔ یہ اللہ کا نظام ہے۔

یہ ساری لمبی بات میں نے اس لیے کی کہ جنہیں اللہ نے ذکر کی توفیق بخشی ہے وہ تو یہ ادراک کر لیں کہ لوگوں سے لینا نہیں انہیں دینا ہے۔ یہ خوشامد کرانا اور اپنا احترام کرانا یہ بھی لینے میں آ جاتا ہے۔ لوگ کرتے ہیں کرتے رہیں، آپ کے دل میں یہ بات نہ ہو کہ جس نے خوشامد کی ہے آپ اس سے اچھا سلوک کریں۔ جس نے نہیں کی اُسے کچھ نہیں دیں۔ آپ لینے کی توقع صرف اللہ سے رکھیں۔ جس سے آپ کا واسطہ پڑے آپ سوچیں کہ میں اسے دے کیا سکتا ہوں۔ مادی طور پر مدد کر سکتا ہوں، مادی طور پر کریں۔ ذکر اذکار سے مدد کر سکتا ہوں، اس سے کریں، نہیں تو اس کے لیے دعائے خیر ہی کریں۔ کچھ نہ کچھ دیں ہی اسے اور لینے کی امید اللہ کریم سے رکھیں۔ جب آپ لوگوں سے کچھ لینے پہ آ جائیں گے تو آپ دینے کے قابل نہیں رہیں گے۔

گداگر کبھی کسی کو کچھ نہیں دیتا، یہ ایک فطری اصول ہے یہ خانہ بدوش ہمارے یہاں آ جاتے ہیں۔ آج کل بھی آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، کچھ دن ٹھہرے اور آگے چلے گئے۔ تو میں کبھی کبھی ان سے گپ شپ کیا کرتا تھا کہ ان کے عقائد کیا ہیں، نظریات کیا ہیں، معیشت کیسی ہے، گھروں میں کیسے رہتے ہیں؟ ایک دن میں گزرا تو ایک گداگر لیٹا ہوا تھا، دوسرے سارے چلے گئے تھے۔ اس کی بیوی تھی اور چار پانچ بچے تھے۔ جھگی سی لگائی ہوئی تھی، میں نے کہا تم گئے نہیں ہو؟ کہنے لگا جی مجھے کل سے بخار ہے اور بیوی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ میری طبیعت بھی اتنی خراب ہے کہ مجھے چھوڑ کر کچھ مانگنے کے لیے نہیں گئی تو ہم رات سے بھوکے بھی ہیں۔ تو میں نے کہا، یہ دس بارہ جھگیاں اور لگی ہوئی ہیں، یہ سارے تو آٹا، دانہ، غلہ وغیرہ مانگ کر لائے ہوں گے تو تمہیں انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مسکرایا اور کہنے لگا، جی جو مانگنے والے ہوتے ہیں وہ دینے والے نہیں ہوتے۔ یہ سارے میرے چچا، ماموں، بھائی رشتہ دار ہیں لیکن گداگر کسی کو کچھ نہیں دیتا تو مجھے تو کسی نے کھانے کا ذرہ بھی نہیں دیا۔ تو میں نے انہیں پیسے دیے کہ یہاں سے کھانا وغیرہ لے لو۔ تو بات میں یہ کر رہا تھا کہ بندہ جب لینے پہ آ جاتا ہے تو اس میں دینے کی استعداد ختم ہو جاتی ہے۔ لینے والا گداگر کبھی کسی کو کچھ دینے کی حیثیت میں نہیں رہتا تو اگر ہم بھی لینے پر آ جائیں گے اور اگر میں بھی توقع رکھ لوں کہ اتنے لوگ آئے ہیں یہ دس دس روپے بھی دیتے تو روپوؤں کا ڈھیر بن جائے گا تو میں آپ کو دے کچھ نہیں سکتا۔ اگر یہ تمنا رکھ لوں کہ آیا ہوں اور یہ ساری مسجد اٹھ کر کھڑی ہو جائے پھر میں کچھ دے نہیں سکوں گا۔ مانگنے والے گداگر جو ہوتے ہیں وہ دینے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں وہ کچھ دے نہیں سکتے۔ تو یہ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ بندے کو ہر وقت اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ اتنا کریم ہے کہ جب بھی کوئی

اپنی اصلاح کرتا ہے وہ اسے قبول فرمالیتا ہے گذشتہ کوتاہیاں معاف فرما دیتا ہے، آگے کام کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ میری امراء سے اور مجازین سے یہ گزارش ہے کہ اللہ نے تمھیں کچھ دینے کے منصب پہ مقرر کیا ہے تو دینے والے بنو، لینے والے نہ بنو۔ اس سے پیسے پکڑ لیے، اس سے، رسی پکڑ لی، اس سے پگڑی لے لی یہ کوئی بات نہیں۔ زندگی کا نظام کچھ دینے میں ہے۔ دین بھی کچھ دینے کا نام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات کو بے پناہ نعمتیں دی ہیں، کسی سے کچھ لیا بھی ہے؟ صحابہ کرامؓ نے روئے زمین پر دین کی روشنی بانٹی، عدل کا نظام بانٹا، کائنات کو سہولتیں دی، کافروں کو بھی سہولتیں دیں لیکن کیا کبھی کسی سے کچھ مانگا؟ تو اللہ کریم نے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ملا دیا جو واقعی حقیقتاً اللہ کے طالب اور اللہ کے دین کے طالب ہیں۔ جو دین کا طالب ہے اسے پہلے درجے میں دین کا محافظ ہونا چاہیے جو ہر کام دین کی حفاظت کے لیے کرے تب جا کر دین نصیب ہوتا ہے۔ نظام کائنات دینے پر ہے۔ زندگی کا نظام دینے پر ہے۔ ایک ایک سیل وجود کو حیات دے رہا ہے۔ اگر کوئی سیل دینا بند کر دے تو وہ جگہ بیمار ہو جاتی ہے، درد ہو جاتا ہے، بخار ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ بیماریاں بدن میں کیوں آتی ہیں؟ جہاں کچھ سیل (Cell) دینا بند کر دیتے ہیں وہاں تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ تو ہم بھی معاشرے کے سیل ہیں۔ ہم اس معاشرے کو کیا دے رہے ہیں؟ ہم اس قوم کا حصہ ہیں، ہم اس قوم کو کیا دے رہے ہیں؟ ہم اس خاندان کا حصہ ہیں، ہم اس خاندان کو کیا دے رہے ہیں؟ اولادوں کو کیا دے رہے ہیں، والدین کو کیا دے رہے ہیں؟ ہم مرنے والوں کی اولاد ہیں، بزرگوں کی جو اس دنیا سے گزر گئے ہم انہیں کیا دے رہے ہیں۔ یاد رکھیں! مرنے والے سے بھی اولاد کے بارے پرسش ہوتی ہے۔ اگر اولاد کی تربیت صحیح نہیں کی اور اولاد بگڑ گئی اور اولاد برائی کرتی ہے تو سزا اسے بھی ملتی ہے۔ اولاد نیکی کرتی ہے تو اجر اُسے بھی ملتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ بندہ کوئی نیک کام شروع کر گیا اور بعد میں وہ کام ہوتا رہا تو وہ اس کا صدقۂ جاریہ ہے، قبر میں بھی اس کا ثواب ملتا رہتا ہے یا نیک اولاد چھوڑ گیا وہ نیکی کرتی ہے تو وہ اس کا صدقہ جاریہ بن جاتا ہے، اسے قبر میں بھی اس کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ تو گویا ہم نے اہل قبر کو بھی کچھ دینا ہے، زندوں کو بھی کچھ دینا ہے، نئے آنے والے بچوں کو بھی دینا ہے۔ ہم کیا دے رہے ہیں؟ ہم کبھی قرآن کا حوالہ نہیں دیتے، ہم کبھی متقدمین کو رول ماڈل Role Model نہیں سمجھتے بلکہ ہم تو اب بہت دور نکل گئے ہیں۔ کافروں کے پاس تو کچھ نہیں ہوتا تو وہ موم بتی جلا دیتے ہیں مرنے والے کی یاد میں، وہ پہلے دوزخ میں پڑا ہے وہ اوپر اور آگ جلاتے ہیں۔ ہم بھی موم بتیاں روشن کرنے لگ گئے ہیں۔ ہمارے پاس دعا ہے، مرنے والے کے لیے بھی دعا ہے، زندوں کے لیے بھی دعا ہے۔ جب کوئی دنیا سے رخصت ہوتا ہے، ہم دعا کرتے ہیں۔ اب ہم نے بھی ایک منٹ کی خاموشی اختیار کر لی۔ یہ کافروں کا شعار ہے۔ ان کے پاس کرنے کو تو کچھ ہے نہیں، دینے کو تو کچھ ہے نہیں تو خاموشی سے کیا ہو گا بھئی۔ لیکن اب تو پاکستان میں سرکاری سطح پر ایک منٹ کی خاموشی ہوگی۔ ہم کہاں جا رہے ہیں، ہم کیا چاہتے ہیں؟ ہم امن چاہتے ہیں؟ خود فساد کرتے ہیں اور انعام میں امن چاہتے ہیں۔ امن چاہیے تو خود دنیا کو امن دو تمھیں بھی امن ملے گا۔ عدل چاہیے تو خود عدل پہ قائم ہو جاؤ اللہ تمھیں بھی عدل دے گا۔ حقوق چاہییں تو فرائض ادا کرو، تمھیں حقوق بھی مل جائیں گے۔ قوم کے لیے، ہم دعا کر سکتے ہیں یا بات کر سکتے ہیں لیکن شاید ہماری قوم کو ان باتوں کو سننے کی فرصت نہیں ہے اس سے کہیں بہتر کسی گانے والے کا کوئی مصرعہ سن لیتے ہیں، اس پر زیادہ سر دھن لیتے ہیں۔ اس دور کی تبدیلیاں ہیں، انسانی مزاج میں کمزوریاں آگئی ہیں لیکن یہ بہانے ان کے لیے ہیں جنہیں ذکرِ الٰہی نصیب نہ ہو، جسے ذکر نصیب ہوا اُسے ان کوتاہیوں سے پوری طرح بچنا چاہیے۔ اس کے پاس یہ بہانہ نہیں ہے۔ اور اگر ذکر کے بعد بھی وہ ان مصیبتوں میں مبتلا ہے تو سمجھو کہ وہ بدترین خلائق ہے، بدترین سزا پائے گا۔

بڑا چرچا ہے دنیا میں اسمِ اعظم کا، وہ جی جس کے پاس اسم اعظم ہو، وہ جو چاہے، ہو جاتا ہے، یعنی جس کے پاس اسم اعظم ہو وہ پروردگارِ عالم بن جاتا ہے؟ جو چاہے ہو جاتا ہے، یہ اللہ کی صفت ہے۔ بندہ چاہ تو

سکتا ہے کرنہیں سکتا، کرنا اللہ کی صفت ہے لیکن بہر حال اسمِ اعظم کی برکات تو ہیں اللہ آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔ اسم اعظم کیا ہے؟ جتنے نام ذات باری کے ہیں سوائے ایک نام اللہ کے باقی صفاتی نام ہیں۔ ہر نام ایک صفتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ یہ واحد اسم الٰہی ہے جس میں تمام صفاتِ الٰہی سمو جاتی ہیں۔ جب آپ اللہ کہتے ہیں تو اس میں سارے صفاتی نام آجاتے ہیں۔ پھر اسم اعظم کون ہوا؟ اللہ ہی اسم اعظم ہے، لینے کا سلیقہ آنا چاہیے۔ جو اسے لے سکتے ہیں ان کی تو سوچوں کے مطابق چیزیں چلتی رہتی ہیں۔ ان کی دعا کبھی اللہ کریم ضائع نہیں فرماتے۔ دعا کسی کی بھی ہو اللہ ضائع نہیں فرماتے لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جیسا وہ سوچتے ہیں ویسا ہوتا چلا جاتا ہے، کیوں؟ ان کے پاس اسم اعظم ہے۔ اسم اعظم کیا ہے؟ یہی لفظ اللہ، یہ لینا آجائے تو پھر سب سے پہلے اپنے وجود کی اصلاح چاہیے، اس کا ایک ایک ذرہ درست ہو جائے، پھر ماحول پہ اس کے اثرات جائیں گے اور اگر ذکر الٰہی کے بعد بھی کسی کی اصلاح نہیں ہو رہی، آبِ حیات پی کر بھی کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تو پھر اس کے بچنے کا کوئی امکان نہیں۔ یہ آبِ حیات ہے اور اگر ہم اسے رسماً لے لیں کہ چلو جی ایک جماعت میں بھی اس کا ایک ممبر بن گیا، ایک رسم پوری ہوگئی تو پھر تو کوئی فائدہ نہ ہوا پھر تو کچھ حاصل نہ ہوا۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجئے اور اللہ آپ کو توفیق دے، آپ کا ایک ایک باڈی سیل ذاکر ہو جائے پھر مرضیاتِ باری کے خلاف، اپنی بڑائی میں بندہ کیسے گرفتار ہو سکتا ہے جو اللہ کے روبرو ہو۔ اللہ کریم اس فلسفے کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ ہم میں بشری کمزوریاں بھی ہیں جو غلطیاں، کوتاہیاں ہم کر چکے ہیں اللہ ان پہ معاف فرمائے۔ آئندہ ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور حقیقی معنوں میں اللہ کا نام لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد رب الغلمین o

بقیہ اکرم التفاسیر صفحہ نمبر 22

کے اتنے قریب لے گیا جہاں سے مرغوں کی اذان سنائی دیتی ہے اتنے فاصلے سے اُلٹ کر انہیں پھینک دیا اور اُن پر خاص قسم کے پتھروں کی بارش ہوئی۔ وہ جگہ جہاں اِن کی آبادی تھی وہاں اُن کے غرق ہونے سے بہت بڑا گڑھا بن گیا اور آج بھی اُس میں دریا آ کے گرتے ہیں اور وہ ایک بحیرہ بنا ہوا ہے بہت بڑی جھیل ہے، اُسے بحیرۂ مردار کہتے ہیں۔ آج بھی اُس کے پانی میں کوئی چیز زندہ نہیں رہتی۔ کوئی مینڈک، کوئی مچھلی، کوئی آبی جانور اُس میں زندہ نہیں رہتا۔ اُس کا نام ہی بحیرۂ مردار ہے جو دریا باہر سے آ کر اُس میں گرتا ہے اُس میں زندہ مچھلیاں آتی ہیں۔ دریا میں آتی ہیں جب اُس میں گرتی ہیں تو مر جاتی ہیں۔ تو اُس میں آج بھی زندگی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ بحیرۂ مردار موجود ہے تو فرمایا: فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (173) جنھیں ڈرایا گیا تھا، متنبہ کیا گیا تھا وہ نہ مانے تو پھر کتنی عجیب اور کتنی تباہ کن اور کتنی سزا دینے والی بارش ہوئی اُن پر اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً اُس میں بہت بڑے دلائل ہیں، نشانیاں ہیں۔ اللہ کریم کی عظمت کو نہ ماننے کی، اللہ کے نبیؐ کی اطاعت نہ کرنے کی کتنی عبرتناک سزائیں ہیں اور یہ تو دنیا میں ہیں، آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ کیا بھگتیں گے وہ تو آگے ہے۔ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (174) اگرچہ دلائل بہت بڑے تھے لیکن اُن میں پھر بھی اکثریت تباہ ہی ہوئی، مان کر نہ دیا، ایمان نہ لائے وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (175) اور یقیناً آپ کا پروردگار غالب ہے جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی بھی اُس کی گرفت سے بھاگ نہیں سکتا، کوئی اُس کے علم سے باہر نہیں ہے، کوئی اُس کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں ہے لیکن وہ الرحیم ہے۔ بہت رحم کرنے والا ہے۔ جو لوگ دنیا میں گزر کر رہے ہیں یہ اُس کی رحمت ہے کہ وہ اُن پر گرفت نہیں کر رہا لیکن وہ یہ نہ سمجھیں کہ اُن کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ جب چاہے، جس پہ چاہے، جس عمل پہ چاہے گرفت کر لے تو کوئی بچ نہیں سکتا، کوئی بھاگ نہیں سکتا، کوئی کہیں چھپ نہیں سکتا، وہ غالب ہے لیکن وہ بہت بڑا مہربان ہے۔

سورۃ طٰہٰ

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

غار ثور میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیقؓ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے کہ مشرکین مکہ غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ رب کائنات کو مقصود کائنات کو بچانا مقصود تھا تو اس نے آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے کوئی لشکر نہیں بھیجا۔ مکڑی سے فرمایا جالا تن دو کیسا قادر ہے۔ اسی کو دیکھ کر کافر کہنے لگے اگر اس میں کوئی بندہ گھسا ہوتا تو جالا تو ٹوٹتا۔ مشرکین مکہ کو غار کے دہانے دیکھ کر سیدنا ابوبکر صدیق بڑے غمزدہ ہوئے۔ اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر پکڑے گئے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ (التوبہ: ۴۰) لاتخف نہیں فرمایا کہ خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ حزن ہوتا ہے، دوسرے کا دکھ جیسے یوسف علیہ السلام کے فراق میں حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں سفید ہو گئیں تو فرمایا وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ یوسف: ۸۴ یوسفؑ کے دکھ میں ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں تو محبوب کیلئے دکھ کو حزن کہتے ہیں۔ ابوبکر صدیق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ میرا غم نہ کریں۔ ان اللہ معنا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ تو پوری کائنات میں صرف دو ہستیاں ہیں انبیاء میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر انبیاء میں ابوبکر صدیقؓ جن کی ذات کو معیت ذاتی نصیب ہے۔ نہ اس طرف صفات ہیں نہ اس طرف صفات ہیں۔ نہ اللہ کی طرف کوئی صفت ہے نہ بندے کی طرف کوئی صفت ہے۔ ان اللہ معنا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے تو ذات کو معیت ذاتی پوری کائنات میں صرف دو ہستیوں کو نصیب ہے۔ انبیاء میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے آپ تمام نبیوں کے امام ہیں اور غیر انبیاء میں ابوبکر صدیقؓ کو اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''سورج نے طلوع نہیں کیا کسی شخص پر ازل سے لے کر قیامت تک کہ وہ ابوبکرؓ سے افضل ہو۔'' یہ دو ہستیاں ہیں جنہیں بیک وقت معیت ذاتی نصیب ہوئی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کی کوئی صفت نہیں۔ کوئی اللہ کے بندے پر لاکھوں اعتراض کرے۔ لیکن وہ ابوبکر تو ہے اور ابوبکرؓ ہے تو اللہ اس کے ساتھ ہے۔ اللہ نے کوئی صفت نہیں لگائی۔ کوئی بدنصیب لاکھ اعتراض کرے محمد رسول اللہ ﷺ پر محمد ﷺ تو آپ ہیں اس سے تو انکار نہیں۔ آپ محمد ﷺ ہیں تو اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ ورنہ پورے قرآن کریم میں جہاں نبیؑ کی ذات آتی ہے وہاں نبیؑ کو ہر وقت معیت حاصل ہوتی ہے وہاں صفات اپنی آجاتی ہیں۔ جہاں معیت ذاتی کی بات آتی ہے وہاں انسان کی صفات آجاتی ہیں یعنی مع الصابرین۔ انسانی صفات آجاتی ہیں۔ پوری کائنات میں صرف دو ہستیاں ہیں۔ جہاں نہ اللہ کی صفت ہے نہ بندے کی صفت ہے وہاں ذاتی طور پر اللہ جل شانہ کی معیت ہے۔

حفظ مراتب:

قولہ تعالیٰ: وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا طٰہٰ: ۶۱

ترجمہ: کمبختی مارو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا مت کرو۔''

''ایسا کلام فرعون سے نہیں فرمایا گیا اس میں بھی حفظ مراتب کا اثبات ہے۔''

فرماتے ہیں اس میں تنقید تو کفار پر کی گئی ہے لیکن یہ عام قاعدہ ہے کہ اللہ کریم کے ذمے کوئی جھوٹی بات لگا دینا یہ دنیا میں سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ ہے۔ کافر تو یہ گناہ کرتے تھے کہ بت پرستی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کا حکم ہے ہمارے آباؤ اجداد نے ہمیں بتایا یہ اللہ کا حکم ہے تو قرآن کریم میں اس پر بڑی گرفت بھی ہوئی کہ کوئی آسمانی کتاب لاکر دکھاؤ، نقل کہیں سے لاؤ، کوئی دلیل لاؤ لیکن یہ کیسے ممکن ہو کہ آج کا مسلمان اس میں گرفتار ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان اللہ پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے یہ جرات کیسے کرسکتا ہے؟ ہم نہ جانتے ہوئے بول جاتے ہیں۔ ایسے کام جو شرعاً ثابت نہیں کہ یہ ثواب ہے۔ کوئی ایسا کام جو سنت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے" خلفائے راشدین سے" سلف صالحین سے یہ ثابت نہیں کہ یہ کرنا ثواب ہے، اگر اس کو ثواب سمجھ کر کیا جائے تو یہ اللہ پر بہتان لگانا ہے۔ اب اس تناظر سے ہم دیکھیں تو کتنے کام ہیں جو ہم کرتے ہیں جسے ہم ثواب سمجھتے ہیں۔ اور ایسے کام کو جسے اللہ نے اللہ کے حبیبؐ نے ثواب نہیں کہا اسے ثواب کہنا اللہ کریم پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ چونکہ کسی کام کا گناہ یا ثواب متعین کرنا یہ منصب الٰہی ہے اور بندوں تک پہنچانا منصب رسالت ہے۔ علمائے حق لکھتے ہیں ایک تو وہ اپنی نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے جب کہتا ہے یہ ثواب ہے فرمایا کیا یہ نبی ہے جو کہہ رہا ہے یہ بھی ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ نے تو یہ حکم نہیں دیا کہ ایسا کرو تو یہ کہتا ہے ایسا کرنا ثواب ہے تو اس کا مطلب ہے یہ اللہ پر بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ تو کافر جب اللہ پر جھوٹ بولتا ہے تو اللہ کریم اتنے ناراض ہو رہے ہیں وَيْلَكُمْ کہہ کر تباہی اور بربادی کی وعید دے رہے ہیں تو مسلمان جب یہی رویہ اختیار کرے گا تو اس کا کیا حال ہوگا؟ اس کے کلمے کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟

چونکہ کلمہ صرف ایک زبانی جملہ نہیں اس کی تائید ہمارے کردار سے ہوتی ہے۔ ہمارے اعمال سے ہوتی ہے۔ ہمارے ایمان کے گواہ ہمارے اعمال ہیں اگر زبان کلمہ پڑھتی ہے اور عمل اللہ کی نافرمانی کو عبادت کہہ رہا ہے تو پھر تو بات بگڑ گئی۔ اللہ کریم تمام مسلمانوں کو اس مصیبت سے بچائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی توفیق دے۔

موقوف بدون عمل اختیاری بر توفیق:

قولہ تعالیٰ: فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ طٰهٰ: ۷۰

ترجمہ: سو جادوگر سجدہ میں گر گئے کہا کہ ہم تو ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ علیہم السلام کے پروردگار پر۔ اس میں دلالت ہے اس پر کہ عمل اختیاری توفیق پر موقوف ہے۔

یہ بڑی نازک بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ انسان کو اختیار تو ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر: ۳) لیکن یہ بھی توفیق الٰہی پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو صحیح فیصلہ ہوسکتا ہے اور توفیق الٰہی موقوف ہے بندے کے قلبی تاثرات پر۔ وہ دل کی گہرائی سے کیا چاہتا ہے۔ اگر وہ رضائے باری کا طالب ہے تو اسے نیکی کی توفیق عطا ہوجائے گی اور اگر رضائے باری مطلوب نہیں تو نیکی کی توفیق نہیں ہوتی۔

ایصال کمال کی استعداد مبتدی را بمقام منتہی:

قولہ تعالیٰ: قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ طٰهٰ: ۷۲

ترجمہ: ان لوگوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہیں دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں۔

"یہ مشعر ہے کہ استعداد کا کامل ہونا مبتدی کو منتہی کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ (چنانچہ یہ جواب ان کے منتہی ہونے پر دال ہے۔)"

تو فرماتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استعداد کا کامل ہونا مبتدی کو منتہی کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ یہ جواب ان کے منتہی ہونے پر

دلالت کرتا ہے۔ یعنی فرعون سے انہوں نے کہا کہ ہم نے جو کچھ دیکھا ہے جو دلائل ہمیں اللہ کی طرف سے نصیب ہوئے ہیں ان کے مقابلے میں تیری شان وشوکت اور حکومت وسلطنت تیرے رعب ودبدبے کو ہم کوئی وقعت نہیں دیتے تو جو سزا دینا چاہتا ہے دے۔ ہمارے لئے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ تو فرماتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوا کہ استعداد کامل ہو تو مبتدی کو بھی منتہی کے منازل پر آن واحد میں پہنچا دیتی ہے۔ ورنہ تو مبتدی کو عمر چاہیے اس مقام تک پہنچنے کے لئے اور مجاہدہ عمر بھر کا چاہیے لیکن اگر استعداد سے مراد دل میں موجود جذبہ اور کیفیت ہے اگر وہ کامل ہو تو ہر طرف سے کٹ کر صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو جائے تو منازل طے کرنے میں دیر نہیں لگتی۔

تنبیہ بر الطاف الٰہیہ:

قولہ تعالیٰ: فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا طٰهٰ: ۷۰

ترجمہ: سو جادوگر سجدہ میں گر گئے۔

''اس میں تنبیہ ہے سامع کی حق تعالیٰ کے الطاف پر کہ جس بندہ کو چاہے غایت کفر اور عناد سے نہایت ایمان اور سداد تک پہنچاوے۔''

فرماتے ہیں اس میں اللہ کے کرم کی بات ہے کہ جب چاہے تو ایک انتہا سے دوسری انتہا پر پہنچا دے۔ جو کفر کی انتہا پر تھے ان کی امیدیں فرعون سے وابستہ تھیں۔ وہ میدان میں اترے تو انہوں نے فرعون سے کہا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿۱۱۳﴾ (اعراف: ۱۱۳) اگر ہم جیت گئے تو ہمارے لئے انعام واکرام ہوگا۔ تو ان کی توقعات فرعون سے وابستہ تھی لیکن جب انہوں نے معجزہ موسوی دیکھا موسیٰؑ کے عصاء کو اژدھا بن کر ان سب کو باطل کرتے دیکھا تو وہ اتنے بدل گئے اتنے بدلے کہ ساری امیدیں فرعون سے کٹ کر اللہ سے وابستہ ہو گئیں۔ اس نے بڑا رعب ڈالا۔ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دوں گا وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ تمہیں کھجور کے تنوں کے ساتھ پھانسی دے دوں گا۔ انہوں نے کہا تجھے جو کرنا ہے کر لے وہ محض دنیا کے امور میں ہم نے اللہ کا جمال پا لیا ہے اور اگر تو اس میں قتل کر دے گا تو ہم شہید ہو جائیں گے اللہ کا قرب بھی نصیب ہو جائے گا تو صبح کے سورج نے انہیں فرعون کا جادوگر دیکھا لیکن ڈھلتے ہوئے سورج نے انہیں موسیٰؑ کے شہدا کے روپ میں دیکھا۔ تو فرمایا یہ اللہ کے کرم کی ایک جھلک ہے کہ جب وہ چاہے تو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ تو صبح صرف کافر نہیں تھے بلکہ بہت بڑھ کر اللہ کے رسول کی مخالفت کر رہے تھے۔ فرعون جیسے ظالم سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے لیکن شام کو وہ سب سے کٹ کر اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے تھے۔

مفارقت اشرار وقت یاس از اصلاح:

قولہ تعالیٰ: مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ﴿۹۲﴾ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ طٰهٰ: ۹۲

ترجمہ: جب تم نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون سا امر مانع ہوا تھا۔

''اس میں مفارقت ہے اشرار کی جب ان کی اصلاح سے مایوسی ہو جاوے اور ہارون علیہ السلام کی مفارقت نہ کرنا یہ بسبب اجتہاد کے ہے جیسا کہ انہوں نے إِنِّي خَشِيتُ میں خود بیان فرمایا۔''

فرمایا، موسیٰؑ نے ہارون سے ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ

جب یہ گوسالہ کو پوجنے لگے تھے اور بت کو سجدہ کرنے لگے گئے تو آپ انہیں چھوڑ دیتے یا میرے پاس چلے آتے تو فرماتے ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جب اصلاح کی امید نہ رہے تو بدکاروں سے الگ ہو جانا چاہیے، چھوڑ دینا چاہیے لیکن ہارونؑ نے کیوں نہ چھوڑا؟ انہوں نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے نہ چھوڑا کہ کچھ ایسے بھی تھے جو سجدہ نہیں کرتے تھے تو ان کا اجتہاد یہ تھا کہ اگر میں انہیں چھوڑ کر چلا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جو بچ گئے ہیں وہ بھی گمراہ نہ ہو جائیں۔ تو وہ ان کا اپنا اجتہاد تھا لیکن اصول یہ ہے کہ جہاں اصلاح کی امید نہ ہو وہاں سے چلا جائے۔ ہمارے ہاں رواج ہو گیا ہے کوئی دن خالی جاتا ہو کہ ای میل یا ڈاک یا بندہ خود آ جاتا ہے جی دعا کریں میرا فلاں ملک کا ویزا لگ جائے۔ سارے کافر ملک ہیں اور ہر جگہ خنزیر کھایا جاتا ہے حرام کھایا جاتا ہے سودی نظام تو خیر یہاں بھی ہے لیکن وہاں بھی ہے اور یہاں کا سودی نظام پھر ایسا ہے کہ اللہ جسے توفیق دے بچنا چاہے بچ سکتا ہے۔ وہاں تو بچنا بھی محال ہے کہ معیشت کچھ ایسی الٹی ہو گئی ہے کہ بندہ بچ ہی نہیں سکتا ہر چیز ادھار پر خریدنی پڑتی ہے، اس پر سود چلتا رہتا ہے قسطیں کٹتی رہتی ہیں اور خنزیر اس طرح استعمال ہوتا ہے کہ فروٹ اور سبزیوں پر بھی اس کی چربی مل کر اسے چمکا کر رکھ دیتے ہیں ان کو چمکانے کے لئے مل دیتے ہیں ٹوتھ پیسٹ میں ڈال دیتے ہیں بسکٹوں میں کھانے میں ہر چیز میں انہوں نے استعمال کیا جاتا ہے تو وہاں رہنا بہت مشکل لیکن اس کے باوجود کوشش کر رہا ہے کہ میں وہاں پہنچ جاؤں۔ تو اس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ کوئی ایسا بندہ جتنا مضبوط اتنا کامل ہو جو کفر کے ماحول میں جائے تو کسی کی اصلاح کی امید ہو اور اس کے گمراہ ہونے کا خطرہ نہ ہو اسے ضرور جانا چاہیے اور جسے یہ خطرہ ہو کہ وہاں جا کر خود بھی گمراہ ہو جاؤں گا اسے وہاں نہیں جانا چاہیے۔ اگر وہاں رہتا بھی ہے اور یہ خطرہ ہے کہ یہاں رہ کر اپنے آپ کو نہ بچا سکوں گا تو وہاں سے ہجرت کر جائے۔ وہاں چلا جائے جہاں دین محفوظ ہو لیکن یہ سب باتیں تب ہوتی ہیں جب آخرت مطلوب ہو۔ مقصد ہی دنیا بن جائے تو پھر ان باتوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ تو آج بھی مخلوق کا مقصد حصول زر اور حصول دنیا رہ گیا ہے الا ماشاء اللہ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ نے آخرت کی فکر عطا فرمائی ہے۔ اور دنیا میں تھوڑے پر گزارا کر کے راضی ہیں بجائے اس کے کہ زیادہ دولت حاصل کر کے آخرت ضائع کر دیں۔

★★★★★★★★★★★★★

بقیہ سوال و جواب صفحہ نمبر 30

کے لئے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ دل کا مقام صدر ہے، سینہ ہے تو اس لیے محاورتاً کہہ دیا جاتا ہے کہ سینہ تنگ کر دیا گیا یا سینہ کھول دیا گیا۔

بقیہ: آداب ذکر (صفحہ نمبر 35)

سانس بغیر یاد الٰہی کے نہ ہو۔ اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ اس محنت کی عملی تربیت کلر کہار، خوشاب روڈ پر واقع دار العرفان منارہ میں ہوتی ہے جہاں شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت امیر مکرم مولانا محمد اکرم اعوان صاحب دامت برکاتہم و فیوضہم کی صحبت میں برکات نبوت کی دولت نصیب ہوتی ہے نیز ذکر خفی قلبی پاس انفاس (ایسا ذکر جس میں ہر سانس کی نگرانی کی جاتی ہے۔ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو) کی عملی مشق نصیب ہوتی ہے۔

دعائے مغفرت

1۔ لاہور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی محمد یوسف صاحب
2۔ لاہور سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی مرزا شعیب بیگ صاحب
3۔ جھنگ سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی عبدالرحمٰن جنجوعہ صاحب کی بیٹی
4۔ راولپنڈی سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی منصب خان صاحب کی بیٹی
5۔ راولپنڈی سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی ماسٹر ظفر اقبال کی والدہ محترمہ
6۔ کراچی سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی محمد طاہر صاحب کی والدہ محترمہ
7۔ کراچی سے سلسلۂ عالیہ کی ساتھی مسز عدنان کے والد محترم
8۔ ملتان سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی محمد نواز قریشی صاحب
9۔ فیصل آباد سے سلسلۂ عالیہ کے ساتھی ذکر اللہ صاحب

وفات پا گئے ہیں، دعائے مغفرت کی درخواست ہے

اکرم التفاسیر

سورۃ الشعرآء آیات 160 تا 175

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ نِ الْمُرْسَلِينَ (160) اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ لُوطٌ

قوم لوط نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن کے (قومی) بھائی لوط (علیہ السلام) نے

اَلَا تَتَّقُونَ (161) اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ (162) فَاتَّقُوا اللّٰهَ

ان سے فرمایا، کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری بات

وَاَطِيعُونِ (163) وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

مان لو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ کیا تم اہل عالم میں

الْعٰلَمِينَ (164) اَتَاْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ (165) وَتَذَرُونَ

سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو۔ اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لیے تمہاری بیویاں پیدا فرمائی ہیں

مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ (166)

ان کو چھوڑ دیتے ہو۔ درحقیقت تم حد سے نکل جانے والے ہو۔ وہ کہنے لگے اے لوط (علیہ السلام) اگر

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ (167) قَالَ اِنِّي

تم باز نہ آئے تو ضرور (شہر سے) نکال دیئے جاؤ گے۔ انہوں نے فرمایا بیشک میں تمہارے کام سے

لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ (168) رَبِّ نَجِّنِي وَاَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ

سخت بیزار ہوں۔ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے وبال) سے نجات عطا فرما۔

(169) فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ اَجْمَعِينَ (170) اِلَّا عَجُوزًا فِي الْغٰبِرِينَ

سو ہم نے ان کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات بخشی۔ مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی۔ پھر ہم نے

(171) ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِينَ (172) وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَآءَ

اوروں کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو کیا برا مینہ تھا

مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ (173) اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

جو ان لوگوں پر برسا جن کو (انجام بد) سے ڈرایا گیا تھا۔ اس میں بلا شبہ عبرت ہے اور ان میں سے

مُؤْمِنِينَ (174) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (175)

اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بے شک آپ کا پروردگار ہی غالب (اور) مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ نِ الْمُرْسَلِينَ (160) حضرت لُوط علیہ السلام کی قوم نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا اور اُن کی رسالت کا انکار کیا، اُن پر ایمان نہ لائے۔ اللہ کے رسولؐ اور اللہ کے نبیؐ مبعوث ہوتے ہیں تو بنیادی بات یہ ہے کہ وہ انسان کو اس کا مقصدِ حیات سمجھاتے ہیں کہ اِس دنیا میں ہم آزمائش اور امتحان میں آئے ہیں، ہمارے پیشِ نظر ہمارا گھر، آخرت ہونا چاہیے۔ جو صحیح سمت سفر کرے گا وہ آخرت میں کامیاب ہوگا۔ سفر سے مراد ہے دنیا کے اعمال و کردار۔ اعمال و کردار کی صحت کے لیے صحتِ عقیدہ بنیاد ہے۔ اگر عقیدہ درست نہ ہو تو یہ سمجھنا کہ کردار صحیح ہوگا یہ ناممکن ہے۔ بنیاد ہی غلط ہو تو اُس پر عمارت صحیح کیسے بنے گی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بنیادی طور پر عقیدہ کی دعوت دیتے ہیں پھر پوری زندگی کا نصاب سمجھاتے ہیں کہ اِس عقیدے کے مطابق آپ نے زندگی بسر کرنی ہے۔ یہ کرنا ہے اور یہ نہیں کرنا۔ کچھ لوگ عقیدہ کی جگہ غلط نظریات رکھ لیتے ہیں۔ عقیدہ ذاتِ باری پر ایمان لانے کا ایک خانہ ہے جو ہر انسان میں فطری طور پر موجود ہے، وہ وہاں بُت رکھ لیتے ہیں فرضی خداؤں کو بٹھا لیتے ہیں۔ جب بنیاد ہی غلط ہو جاتی ہے تو پھر اُن کا سارا کردار غلط ہو جاتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک غلط فہمی بڑی عام ہے۔ اکثر ہمارے مسلمان بھائی یہ کہتے ہیں کہ جی یہ جو کافر قومیں ہیں یہ بڑی دیانت داری سے کام کرتی ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں ہم حاضر تھے۔ قاضی ثناء اللہ (مرحوم) موجود تھے اور سادے آدمی تھے۔ قاضی صاحب کی عمر بھی زیادہ تھی، ضعیف بھی تھے۔ کسی نے بات کی، اُن دنوں ہندوستان کا وزیر اعظم نہرو مرا تھا کسی نے بات کی کہ بہت دانش ور

سیاستدان تھا، بہت عقل مند تھا۔ تو قاضی صاحب اپنے دھیان میں بیٹھے تھے لیکن اِس بات پر چونک گئے اور انھوں نے سر اُٹھا کر کہا، کیا کہہ رہے ہو، بہت عقل مند تھا؟ خاک عقل مند تھا، عقل مند ہوتا تو ایمان لے آتا۔ خاک عقل مند تھا، جو ہندو ہی مر گیا۔ تو انسان کی یہ جہالت ہے کہ وہ فرضی خداؤں سے اُس کی خانہ پُری کر لیتا ہے پھر جب اگر کوئی کہے جیسے ہم کہتے ہیں جی یہ کافر بڑی دیانت داری سے کام کرتے ہیں تو میرے بھائی اُن کی دیانت داری بھی دنیا کے لیے ہے۔ کوئی چیز ایجاد کرتے ہیں، کوئی دوائی بناتے ہیں آپ کو کیا پتا کہ اِن دواؤں سے اربوں کماتے ہیں اور اتنے دیانت دار ہیں کہ پانچ چھ سال ایک دوائی کے اشتہار آتے رہتے ہیں جب خوب پیسہ کما لیتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ تو دوائی اچھی نہیں تھی اِس کی متبادل یہ ہے یعنی وہ اِس انداز سے بددیانتی کرتے ہیں کہ ہمارے لوگوں کو سمجھ بھی نہیں آتی۔ جب ایمان نہ ہو تو دیانت و امانت کہاں سے آ گئی۔ وہ جو بظاہر ہمیں دیانت و امانت نظر آتی ہے تو وہ بھی کسی دنیوی فائدے اور لالچ کے لیے کی جاتی ہے انبیاء علیہم السلام جب تشریف لاتے ہیں تو انسان کی عقیدے سے لے کر کردار تک یہ ساری بنائی ہوئی عمارت ڈھا دیتے ہیں کیونکہ وہ غلط ہوتی ہے۔ فرضی خداؤں کو دِلوں سے نکالو اللہ رَبُّ العزّت پر ایمان لاؤ اور پوری زندگی، اللہ کے نبی کی تعلیمات کے مطابق بدل دو۔ یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنھیں یہ نعمت نصیب ہوتی ہے۔ ہر آدمی اپنے طرزِ حیات پر مُصر ہوتا ہے۔ کوئی بندہ اپنے آپ کو غلط نہیں سمجھتا وہ سمجھتا ہے میں ہی ٹھیک کر رہا ہوں جو کر رہا ہوں۔ اس طرح پھر لوگوں کی اکثریت انکار کر دیتی ہے کہ کیوں ہم کسی کے کہنے پر عقیدے سے لے کر عمل تک سارا نظام بدل دیں۔ اب ہمارا عالم تو یہ ہے کہ ہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر لی، کلمہ قبول کر لیا، آخرت مان لی، فرشتے، قیامت، عذاب، ثواب مان لیا ۔ یہ ماننے کے باوجود ہم شریعت پر عمل نہیں کرتے اپنی مرضی پہ کرتے ہیں۔ ساری ضروریاتِ دین ماننے کے بعد ہم یہ چاہتے ہیں کہ عمل ہماری مرضی کے مطابق ہو، بس ہماری بخشش ہو جائے۔

تو لوگوں نے لوط علیہ السلام کی تعلیمات کا بھی انکار کر دیا انبیاء کی دعوت وہی ایک ہوتی ہے۔ کتنے انبیاء کا ذکر خیر اس سورۃ میں گزر چکا۔ کچھ کا آگے آ رہا ہے دعوت سب کی ایک ہی تھی۔ فرمایا: اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ (161) جب اُن کے قومی بھائی لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تمھیں اللہ سے حیا نہیں آتی؟ وہ جو تمھارا خالق و رازق ہے تم اُس پر یقین نہیں رکھتے، اُس پر اعتماد نہیں کرتے، اُس کو نہیں مانتے؟ اور جب اُسی سے بغاوت کر کے زندگی گزارتے ہو تو تمھیں اپنے کردار سے کوئی خوف نہیں آتا کہ اِس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اَلَا تَتَّقُوْنَ o تمھیں اللہ سے حیا نہیں آتی؟ فرمایا: اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (162) o میں اللہ کی طرف سے تمھارے پاس بھیجا ہوا اللہ کا رسولؐ ہوں اور امانت دار ہوں یعنی رسالت اور امانت جُڑے ہوئے ہوتے ہیں ہر رسولؐ امین ہوتا ہے۔ کوئی اللہ کا نبیؐ، اللہ کا رسولؐ، اللہ کا پیغمبرؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، پوری امانت و دیانت سے جو احکام اللہ کی طرف سے آتے ہیں وہ پہنچاتا ہے۔ فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (163) اللہ جل شانہٗ سے اپنے تعلقات صحیح کر لو درست کر لو۔ وَاَطِیْعُوْنِ کیسے درست ہونگے، اللہ اور بندے کا تعلق کیسا ہوگا؟ جب وہ اپنے نبیؐ کی اطاعت کرے گا۔ اطاعتِ پیغمبرؐ کے باہر کوئی ایسا راستہ نہیں جو بارگاہِ الوہیت کو جاتا ہو۔ سارے راستے گمراہی کے ہیں، بربادی کو جاتے ہیں، جہنم کو جاتے ہیں، ناکامی کو جاتے ہیں۔ کامیابی کا راستہ صرف ایک ہے کہ اللہ کے رسولؐ کا اتباع کیا جائے خلوصِ دل سے کیا جائے، پوری محنت سے کیا جائے۔ اور پھر رسالت و نبوت اپنا کوئی بدلہ دنیا داروں سے نہیں مانگتی۔ دنیا دار بھی بڑے بڑے لیڈر ہوتے ہیں، قوموں کو لوگوں کو جمع کر لیتے ہیں۔ کسی کا دعویٰ ہے کہ میرے پاس جوان ہیں کوئی کہتا ہے میرے ساتھ عورتیں بھی ہیں مرد بھی ہیں ساری قوم میرے ساتھ ہے۔ حاصل کیا ہوتا ہے، وہ بندہ اقتدار چاہتا ہے یا چندے جمع کر کے امیر ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نبی ماننے والوں سے کچھ نہیں چاہتے اور نہ کوئی ماننے والا اُن کا اجر دے سکتا ہے۔ جتنا بڑا عظیم کام وہ کرتے ہیں کہ بندے کو اللہ سے ملا دیتے ہیں اُس کا معاوضہ

کوئی نہیں دے سکتا۔ فرمایا، میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، مجھے تم سے کسی بدلے کی، کسی دولت کی آج کی زبان میں کہا جائے تو کسی ووٹ کی، کسی اقتدار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں کام اللہ کا کر رہا ہوں جو کائنات کا پالنے والا ہے، ذرّے ذرّے کا خالق ہے، اُسے قائم رکھنے والا ہے، اُسے پالنے والا ہے، رب العالمین ہے، تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔ میں اُس کا کام کر رہا ہوں۔ مجھے معاوضہ بھی وہی دے گا۔ آج کل تو اللہ ہمیں معاف کرے۔ وعظ کہنا ہو تو پندرہ منٹ کی تقریر کے لوگ پندرہ ہزار لے لیتے ہیں، پندرہ لاکھ لے لیتے ہیں۔ پہلے طے کر لیتے ہیں کہ ہم ایک گھنٹہ تقریر کریں گے تو ہوائی جہاز کا ٹکٹ تم دو گے، فائیو سٹار ہوٹل میں رہائش بھی دو گے۔ اور اتنی فیس بھی دو گے اللہ کا دین فروخت کرنے کے لیے نہیں ہے۔ دین کا کام آپ سے نہیں ہو سکتا تو نہ کریں اُس پر معاوضہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ تو انبیاء کا اور خاصانِ خدا کا، اللہ کے بندوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا کام، اللہ کے لیے کرتے ہیں اور اپنی روزی معروف ذرائع سے پیدا کرتے ہیں۔ کھانے کے لیے، بچے پالنے کے لیے، اپنی روزی معروف ذرائع سے پیدا کرتے ہیں تو فرمایا: وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۔۔۔۔ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا کہ مجھے بادشاہ بنا دو یا مجھے دولت دے دو یا مجھے یہ دے دو یا مجھے وہ دے دو فرمایا: اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (164) میرا اجر اُس ذات کے ذمے ہے جو کائنات کے ذرّے ذرّے کو پال رہا ہے جس کی بارگاہ میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں اور جس کا میں پیغام لایا ہوں، جس کا کام کر رہا ہوں۔

اَب اُن میں بنیادی خرابی کیا تھی؟ فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ یار دنیا میں تم واحد قوم ہو جو لڑکوں سے بدکاری کرتے ہو، دنیا کی کوئی قوم ایسا تو نہیں کرتی، کیسے عجیب لوگ ہو تم۔ تم نے غیر فطری عمل کو زندگی کا شعار بنا لیا ہے۔ اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ دنیا میں تم ہی ہو جو مرد سے برائی کرتے ہو، غیر فطری برائی کرتے ہو، لڑکوں سے بُرائی کرتے ہو۔ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ اور اللہ نے زندگی میں جو تمھارے جوڑے بنائے تھے، تمھاری بیویاں تمھیں عطا کیں، ایک مخلوق تمھارے برابر کی پیدا کی اُسے تم نے چھوڑ دیا: بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (166) تم بہت حد سے گزر جانے والی قوم ہو، تم حد سے گزر چکے ہو۔

بڑی عجیب بات ہے دعویٰ تو ہمارا بھی مسلمان ہونے کا ہے الحمدُ لِلّٰہ! اللہ قبول فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی امت ہونے کا بھی۔ جتنی قومیں تباہ ہوئیں اُن میں حد سے بڑھی ہوئی کوئی ایک ایک برائی تھی جس کا ذکر قرآنِ کریم نے کیا، جیسے لوط علیہ السّلام کی قوم میں لڑکوں کے ساتھ بدکاری عام تھی اس کا ذکر بھی کیا گیا۔ ہم اپنے کردار پہ نظر کریں تو جتنی گزشتہ اقوام میں ایک ایک برائی تھی ہم نے سب جمع کر لیں اور منِ حیث القوم ہمارے کردار کو دیکھا جائے تو ہر برائی موجود ہے۔ شاید ہم نے کبھی اِس پر غور ہی نہیں کیا، توجہ ہی نہیں دی تو انہوں نے فرمایا، تم عجیب قوم ہو کہ مرد، لڑکوں سے، مرد، مردوں سے بدکاری کرتے ہو یہ کیسی عجیب بات ہے اللہ نے انسانوں کو بھی جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں تم پر شرعی طریقے سے نکاح کرنا حلال کیا ہے، تم پر حلال کی ہیں۔ اُن سے آگے پھر نسلِ انسانی چلتی ہے تو تم کِدھر نکل گئے ہو؟ حد سے گزر گئے ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس کی برائی بیان کی اور اس کا نقصان بھی بیان کیا، اللہ کی نافرمانی سے بھی ڈرایا لیکن بات یہ ہے کہ بندے کے پاس جب دلیل نہ ہو تو پھر وہ لڑائی پر اُتر آتا ہے۔ تو جواباً اُن کے پاس کوئی دلیل تھی نہیں، وہ کہنے لگے: قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ (167) اے لوط! اگر تم اپنی اِن باتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمھیں اور تمھارے ماننے والے جو چند افراد ہیں سب کو شہروں سے نکال دیں گے پھر تم اپنی الگ بستیاں بساتے پھرنا اور اپنے شہر بناتے پھرنا جو نیکوکاروں کے شہر ہوں گے۔ ہمارے شہروں سے ہم تمھیں بے دخل کر دیں گے، نکال دیں گے۔ انھوں نے فرمایا: قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ (168) تمھارے کردار سے میں بہت بے زار ہوں میں ویسے بھی تم جیسے لوگوں میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے تمھارے ساتھ رہ کر کوئی خوشی نہیں ہے، کوئی مسرت نہیں ہے۔ میں ویسے بھی تم سے الگ رہنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے کیا

نکالو گے میں تو اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں کہ توبہ کرو تو بات بنے، میری اطاعت کرلو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اگر تم اپنے اسی کردار پر رہو تو میں تو ویسے ہی تمھارے اِس کردار سے بےزار ہوں، میں تو ایسے لوگوں میں رہنا ہی نہیں چاہتا تم مجھے کیا دھمکی دے رہے ہو کہ ہم تمہیں شہروں سے نکال دیں گے میں ایسے شہروں میں رہنا پسند ہی نہیں کرتا۔ میں تو اللہ کے حکم سے پابند ہوں۔ مجھے حکم ہوا ہے تم تک بات پہنچانے کا اور میں اللہ کی بات تم تک پہنچا رہا ہوں مجھے تم میں رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے پھر دعا فرمائی رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ (169) اے اللہ! مجھے اور میرے گھر والوں کو جو کچھ یہ کر رہے ہیں اُس سے محفوظ رکھ، نجات عطا فرما کیونکہ جو یہ کر رہے ہیں یہ ایک عمیق گڑھا کھود رہے ہیں جس میں بالآخر سر کے بل گریں گے تو چونکہ ہم اِن میں مِل جُل کر اِن کے شہروں میں رہ رہے ہیں تو اللہ کے عذاب جب آتے ہیں تو اجتماعی طور پر جو لوگ برائی کو بُرا نہیں سمجھتے، برائی کرنے والوں کے ساتھ وہ بھی تباہ ہو جاتے ہیں تو میں اِن کے کردار سے بےزار ہوں۔ اے اللہ! جب اِن پر گرفت آئے تو مجھے اور میرے گھر والوں کو محفوظ رکھنا۔ اب 'اہل' میں بھی صرف یہاں آپ کے اہل خانہ مراد نہیں ہیں بلکہ جتنے لوگ، بہت تھے یا تھوڑے، جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کی اطاعت اختیار کی وہ اِس میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ جب عذاب آیا تو جن لوگوں کو بچایا گیا اُن میں صرف لوط علیہ السلام کے اہل خانہ نہیں تھے بلکہ لوط علیہ السلام کے گھر کے افراد، اُن کی اولاد بھی تھی اور جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور اطاعت کرتے تھے وہ بھی تھے۔ اور اُن کی اہلیہ جو آپ کی اطاعت نہیں کرتی تھی، آپ کے ساتھ تھی لیکن دِل اُس کا، اُس قوم کے ساتھ تھا اُسے نجات نہیں ہوئی۔ اُن کے ساتھ عذاب میں ہلاک ہوئی۔ جسمانی طور پر اللہ کے نبیؑ کے گھر پہ رہتی تھی، ذہنی اور روحانی طور پر اور قلبی طور پر اُس کا رابطہ اُن سے تھا لہٰذا جدھر قلبی تعلق تھا اُدھر گئی تو فرمایا: فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ (170) ہم نے انھیں اور اُن کے متبعین کو بچا لیا۔ اُن سب کو نجات دے دی اُن کے گھر والوں کو بھی نجات بخشی إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ (171) سوائے اُس ایک عمر رسیدہ خاتون کے جو پیچھے رہ گئی

اور قوم کے ساتھ تباہ ہو گئی، ہلاک ہو گئی، عذاب کی نذر ہو گئی یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ بات کردار پر ہے۔ کردار ویسا ہوتا ہے جیسا انسان کا دل چاہے، آدمی وہ کرتا ہے جو اُس کا دل چاہتا ہے۔ اگر دِل، نبیؑ کی نافرمانی پہ خوش ہے تو فرمانبرداروں میں شمار ہونا مشکل ہے۔ دعویٰ تو ہم کرتے ہیں غلامی کا، دعویٰ تو ہم کرتے ہیں اُمتی ہونے کا۔ دعوے تو ہمارے بڑے بڑے ہیں لیکن دیکھا کردار جاتا ہے کہ اِس کا دِل کدھر اُلجھا ہوا ہے تو اُس خاتون کا دِل چونکہ کفار کے ساتھ تھا اُن کے ساتھ تباہ ہو گئی۔ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ (172) لوط علیہ السلام کو اور اُن کے متبعین کو ہم نے بچا لیا۔ پھر باقیوں کو تو ہم نے برباد کر کے رکھ دیا، تباہ و برباد کر دیا، ہلاک کر دیا اور ہلاک بھی کیسے کیا؟ فرمایا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ہم نے اُن پر ایک خاص قسم کے پتھروں کا مینہ برسایا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ (173) اور جنھیں اِس انجام سے ڈرایا گیا تھا اور باخبر کیا گیا تھا لیکن انھوں نے نہیں مانا تو اُن کا انجام بہت بُرا ہوا تباہ کر دیئے گئے۔ حنفیہ نے یہاں سے اخذ کیا ہے کہ کوئی بندہ اگر لڑکوں سے یا مرد سے بدفعلی کرتا ہے تو اُس کو یہی سزا دی جائے جو اللہ نے اُس قوم کو دی تھی کہ یا تو اُسے بہت زیادہ بلندی سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے۔ یا اُس کے اوپر کوئی دیوار گرا دی جائے اور اس طرح اُسے ہلاک کر دیا جائے یہ سزا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد سے بدفعلی کرنے کی رہی۔ عورت تو عورت بھی، بیوی بھی شرعاً حلال ہے اگر کوئی اپنی حلال بیوی سے بدکاری کرتا ہے اور اُس میں بیوی کی مرضی بھی شامل ہو تب بھی وہ سزا کا مستحق ہو گا اور اُس پر حد جاری ہو گی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے ایسے مردوں اور ایسی عورتوں دونوں پر لعنت فرمائی ہے، دونوں ملعون ہیں۔ اپنی منکوحہ بیوی سے بھی غیر فطری عمل حرام ہے، جائز نہیں ہے جو ایسا کرتا ہے مرد بھی اور عورت بھی لعنت کا مستحق ہے، اور اگر ثابت ہو جائے یا پکڑے جائیں تو اُن کی سزا بھی وہی ہو گی۔ تو یہ چار بڑے بڑے شہر تھے اس قوم کے۔ اللہ کریم نے انھیں یہ سزا دی کہ زمین کی ساتویں تہہ تک فرشتے نے اکھیڑ کر وہ خطۂ زمین اُٹھا لیا اور آسمان

.... بقیہ صفحہ نمبر 14 پر........

معزز صارف!

محکمہ ڈاک 1892 سے لیکر آج تک اس خطے میں آپکی خدمت کیلئے کوشاں ہے۔ ماضی میں ہر مشکل وقت میں محکمہ ڈاک نے عوام الناس کی بے پناہ خدمت کی ہے اور اُسی جذبہ کو برقرار رکھتے ہوئے ہم آپ کی مزید خدمت کرنا چاہتے ہیں موجودہ دور میں محکمہ ڈاک کو بڑے چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس تناظر میں محکمہ ڈاک نے آپکی خدمت کیلئے اپنادائرہ کار وسیع کیاہے۔ اب آپ:۔

- بجلی، گیس، پانی اور ٹیلی فون کے بل اپنے قریب ترین ڈاکخانہ میں جمع کراسکتے ہیں۔
- اپنے پیاروں کے بیرونِ ملک سے بھیجے گئے پیسے ویسٹرن یونین کے ذریعے مقرر کردہ ڈاکخانوں سے وصول کیے جاسکتے ہیں۔
- رقم کی منتقلی اب برقی اور فیکس منی آرڈر کے ذریعے فوری طور پر ممکن ہے۔
- ارجنٹ میل سروس کے ذریعے اپنی ڈاک پورے ملک میں پہنچائیں۔
- وی۔ پی۔ پارسل/ لیٹر کے ذریعے اپنے کاروبار کو مزید مستحکم کر سکتے ہیں۔
- اپنی پوری عمر کی جمع پونجی اور بچت قریب ترین ڈاکخانے میں سیونگ بنک میں جمع کرواسکتے ہیں۔

آپ سے التماس ہے کہ آپ قریب ترین ڈاکخانہ میں تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں۔

شکایات کے ازالے کیلئے مندرجہ ذیل فون نمبرز پر صبح **09:00** بجے سے شام **08:00** بجے تک رابطہ کر سکتے ہیں۔

Ph: 042-99210971, 042-99239794
Cell:0321-6772525, 0335-6161400
Fax: 042-99211323
Email: ccpmgpunjab@yahoo.com

آپکے تعاون کیلئے شکر گزار
محکمہ ڈاک

شیخ المکرمؒ کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

10 جون 2014ء

سوال: شیطان انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے سب سے بڑا حربہ کیا استعمال کرتا ہے؟

جواب: قرآن کریم نے اس کا بڑا خوبصورت جواب دیا ہے شیطان کی مثال دے کر کہ شیطان جب گمراہ ہوا۔ قرآن کریم نے وہ قصہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم دیا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کر لیا۔ شیطان بھی فرشتوں میں شامل تھا اس نے نہیں کیا۔ اس نے مسئلہ اپنی مرضی سے نکالا۔ یہ رواج بھی آج کل عام ہو گیا ہے کہ ہر مسئلہ اپنی مرضی سے نکالیں کہ جی یہ حدیث میں ہے یہ قرآن میں ہے۔ آج سے صدیوں پہلے جب ائمہ دین نے فقہ مرتب کی تو کیا قرآن وحدیث موجود نہیں تھے؟ انہوں نے قرآن وحدیث سے ہی اخذ کر کے فقہ مرتب کی۔ تب سے لے کر اَب تک کسی پانچویں اِمام نے دعویٰ نہیں کیا۔ پوری اُمت اُن چاروں ائمہ اربعہ ہی کا اتباع کرتی چلی آ رہی ہے۔ صدیاں گزر گئیں بڑے بڑے عالم، بڑے بڑے فقیہ، بڑے بڑے اہل اللہ، اللہ کے بڑے بڑے مقرب بندے سب ان کی تقلید کرتے رہے۔ یاد رکھیں یہ تقلید فقہ میں ہوتی ہے عقیدے میں نہیں۔ عقیدہ ہر ایک کا اپنا ہے۔ احکام میں تقلید ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ہر بندہ اَحکام قرآن وحدیث سے اخذ نہیں کر سکتا تو ائمہ نے احکام اَخذ کر کے ترتیب وار بنا دیے۔ پوری اُمت اُن کا اتباع کرتی چلی آئی ہے۔ آج کل ایک نئی مصیبت پیدا ہو گئی ہے۔ لڑکیاں لڑکے کہتے نظر آتے ہیں کہ وہ جی فلاں قرآن کی آیت ہے نا اس سے مراد یہ ہے۔ فلاں حدیث ہے نا اُس کے مطابق ہم یہ کر رہے ہیں۔ بندۂ خدا! یہ فقہ قرآن وحدیث سے مرتب ہوئی ہے، اہلِ علم نے کی ہے۔ اور اُس پائے کے اہل علم تھے کہ آج تک کوئی پانچواں پیدا نہیں ہوا۔ پوری اُمت روئے زمین پر ائمہ اربعہ کا اتباع کر رہی ہے اور جو لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں کیا اُن کے سارے دوست مجتہد ہیں۔ خود اجتہاد کرتے ہیں؟ ماوشما سے پوچھتے ہیں۔ کہ یہ مسئلہ کیسا ہے۔ تو ماوشما سے پوچھنا اچھا ہے یا ائمہ کی اِقتداء اچھی ہے؟ جو لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں۔ وہ بھی تقلید کرتے ہیں۔ ہاں! ائمہ کی نہیں کرتے، میری، آپ کی، ہر ایک کی کرتے ہیں۔ تو ان نوجوانوں لڑکوں اور لڑکیوں سے میری گذارش ہے کہ آپ میں وہ استعداد نہیں ہے کہ آپ قرآن کی آیت سے یا حدیث سے مسئلہ اخذ کریں۔ آپ کو تو یہ بھی نہیں پتا کہ یہ حدیث کس درجے کی ہے؟ یہ صحیح بھی ہے یا نہیں ہے؟ پھر کس درجے کی ہے اور اس سے مراد کیا ہے اور اس پر عمل کی صورت کیا ہوگی؟ آپ کو عربی کی ابجد نہیں آتی۔ قرآن کا مفہوم آپ کیا سمجھیں گے۔ اردو ترجمے سے آپ مفہوم سمجھ لیں گے؟ فقہی مسائل اخذ کر لیں گے؟ یہ اسلام دشمنوں کی پھیلائی ہوئی وبا ہے معاشرے میں کہ لوگوں کو ائمہ کی تقلید سے ہٹا کر ہر بندے کو امام بنا دو۔ جو اس کے جی میں آئے وہ قرآن سے اَخذ کرے۔ جو اُس کے دل میں آئے وہ حدیث اخذ کرے۔ اُسے کوئی نہ کوئی حدیث سنا دو وہ صحیح ہے یا اس میں صحت کا معیار نہیں ہے یا وہ کس درجے میں ہے یا وہ موضوع ہے، بالکل گھڑی ہوئی ہے یا بالکل غلط ہے۔

احکام فقہی کو ائمہ اربعہ سے اخذ کرو۔ اور قرآن و حدیث کا حوالہ دینے کی بجائے امام کا حوالہ دو کہ فلاں امام کا یہ مسلک ہے۔ ہم یہ کررہے ہیں پھر دو اماموں کی اقتداء نہیں کی جاسکتی۔ اقتداء ایک کی ہوگی۔ مثلاً امامِ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جب آپ وضو کرلیتے ہیں تو پھر اگر شرم گاہ کو ہاتھ لگ جائے تو وہ فرماتے ہیں کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ وضو کرنے کے بعد کسی بھی وجہ سے شرمگاہ کو ہاتھ لگ گیا تو کوئی حرج نہیں جسم کا ایک حصّہ ہی تو ہے۔ وضو نہیں ٹوٹا۔ امامِ مالک فرماتے ہیں ٹوٹ جاتا ہے۔ اَب اُن کا مسلک یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد اگر شرم گاہ کو ہاتھ لگ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اب آپ کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں، میں امام ابوحنیفہ کی پیروی کروں گا میرا وضو نہیں ٹوٹا تو مسئلہ ٹھیک ہوگیا۔ اَب آپ جب داتن کرتے ہیں اور دانتوں سے خون آجاتا ہے اور خون کا قطرہ چل پڑتا ہے، امامِ اعظمؒ فرماتے ہیں، وضو ٹوٹ گیا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں نہیں ٹوٹا۔ وہاں آپ نے امام مالک کی اِقتداء کرلی کہ خون تو نکلا ہے میرا وضو نہیں ٹوٹا۔ ٹھیک ہے دونوں جگہ آپ نے ائمہ کی اِقتداء کی۔ لیکن جہاں امام اعظمؒ فرماتے ہیں وضو قائم ہے، وہاں اِمام مالکؒ فرماتے ہیں وضو نہیں رہا۔ تو وہاں اِمام مالک کی مخالفت ہوگئی۔ اور جہاں اِمام مالک فرماتے ہیں خون آنے سے وضو رہ گیا ہے وہاں اِمام اعظمؒ فرماتے ہیں ٹوٹ گیا ہے تو وہاں امام اعظمؒ کی مخالفت ہوگئی۔ تو دونوں میں آپ نے ایک ایک امام کی مانی ایک ایک کی مخالفت بھی کی۔ دونوں کے نزدیک آپ کا ایک ایک فعل جائز ہے۔ دونوں کے نزدیک ایک ایک فعل ناجائز بھی ہے۔ تو دو اِماموں کی اِقتداء نہیں ہوسکتی۔ ائمہ اربعہ میں ہے جس امام کو چن لیں۔ فقہ میں اس کی اقتداء کریں کیونکہ ہر بندے میں وہ استعداد نہیں ہے کہ فقہی احکام کا استخراج قرآن یا حدیث سے کرے۔ اگر ہوتا تو یہ بڑی بڑی یونیورسٹیاں، علمائے دیو بند، علمائے بریلوی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ، ولی اللہ خاندان، اسی برصغیر میں دیکھ لو، کیسے کیسے بے مثال علماء ہوئے ہیں، سب کے سب مقلد تھے۔ وہ ائمہ کی تقلید کیوں کرتے تھے۔ خود قرآن حدیث کے عالم تھے۔ یہ آج سکولوں کالجوں کے بچے خود قرآن حدیث سے مسئلہ لے لیتے ہیں تو وہ کیوں نہیں لیتے؟ تو یہ ایک وباء ہے جو کفر کی طرف سے پھیلائی جارہی ہے۔ مجھے بھی دو تین دن سے کوئی بچی تنگ کررہی تھی کہ جی قرآن میں یہ ہے تو میں یہ کرتی ہوں۔ فلاں حدیث ہے انہیں پتا ہی نہیں حدیث ہے بھی یا نہیں ہے۔ کس کتاب میں ہے، اس کی روایت کیا ہے؟ میں نے کہا کہ خدا کے لیے مجھے تو پریشان نہ کرو۔ ہوسکتا ہے تو اتباع کرو، نہیں ہوسکتا تو پھر جو جی چاہتا ہے کرو تمھاری مرضی۔

اِن چیزوں سے احتیاط کرنی چاہیے، یہی شیطان کے گمراہ کرنے کے طریقے ہیں۔ شیطان تب گمراہ کرتا ہے جب اِنسان اپنی اَنا میں پڑ جاتا ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل میں پڑ جاتا ہے۔

دھوکا دیا آدم علیہ السلام کو لیکن آدم علیہ السلام اللہ کے نبی تھے انہیں اِس بات کا لالچ دیا کہ آپ اللہ کے قرب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے آدم کو معاف بھی کردیا۔ ہم نے آدم کو چن بھی لیا۔ آدم علیہ السلام کو نبیؑ مبعوث فرمایا۔ لیکن پہلا تجربہ تو انہیں پر ہوگیا۔ شیطان نے کس بات سے دھوکا دیا تھا؟ اُن کے ذاتی فائدے کی بات کی کہ یہ کھالو گے تو آپ فرشتوں کی طرح ہوجاؤ گے اور ہمیشہ یہیں جنت میں رہو گے اور اللہ کا قرب نصیب ہوگا۔ لالچ بھی انہیں قرب الٰہی کا دیا وَقَاسَمَهُمَآ (الاعراف 21) اور ان کے لیے اللہ کی قسمیں کھائیں اب وہ آسمانوں پر ہی پیدا ہوئے اسی جنت میں موجود تھے۔ اُنہوں نے نہ حالات دیکھے۔ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اللہ کی قسم بھی جھوٹی کھا سکتا ہے۔ اس نے دھوکا دیا۔ لیکن اس میں ان کا ذاتی فائدہ تھا کہ ہمیشہ قرب الٰہی میں رہیں گے اور جنت میں ہی رہیں گے۔

عام انسان کے اطاعت الٰہی اور نفس کے فائدے میں جب تقابل آجاتا ہے تو شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ اُسے اس کے نفس کے

فائدے کی طرف لے جائے۔ پہلا پہلا دھوکا جو ہمارے جدِ اُمجد اور اللہ کے نبیؑ کو شیطان نے دیا وہ یہی تھا کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اگرچہ آدمؑ کی خواہش قربِ الٰہی میں ہمیشہ رہنے کی تھی۔ تو انسان اگر اپنے ذاتی مفاد کی طرف جھکتا ہے تو یہ دیکھے کہ یہ فائدہ شرعاً جائز ہے، اس پہ اللہ کی رضا ہوگی تو پھر ٹھیک ہے پھر شیطان کو کوئی موقع نہیں ملتا۔ اور اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس سے نفس کو لذت محسوس ہوگی کہ کس کا پھل ہے لیکن میں توڑ کر کھالوں، بڑا مزے دار ہے تو گناہ ہو جائے گا جرم ہو جائے گا۔ جب یہ سارا مکالمہ ہوا اور شیطان نے سجدہ نہ کیا اسے مردود قرار دے دیا اُس نے کہا، یا اللہ!، یہ بھی اس کی عجیب سوچ تھی، اللہ سے کہنے لگا تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر 39) اے اللہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا۔ غلطی خود کر رہا ہے ذمے اللہ کے لگا رہا ہے۔ اسی طرح لوگ چوری ڈاکے کرتے ہیں، بندے قتل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں بس اللہ کو یہی منظور تھا۔ اللہ تو منع کر رہا ہے کسی کو ظلماً قتل نہ کرو۔ اللہ کریم نے ایک بات طے کر دی۔ اس نے کہا، آپ مجھے مہلت دیں، جب تک دنیا قائم ہے میں اسے بہکاتا رہوں گا۔ آپ نے انسان کے مقابلے میں مجھے مردود قرار دے دیا۔ مجھ پر لعنت کر دی۔ مجھے ہمیشہ کے لیے جہنمی اور دھتکار دیا لیکن یہ انسان میری بات مانے گا یہ آپ کی نہیں مانے گا۔ اگر آپ مجھے مہلت دے دیں۔ اللہ کریم نے فرمایا جاؤ کہ ہم نے قیامِ قیامت تک کی تمھیں مہلت دے دی ہے۔ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر 38) تو قیامت تک تمھیں مہلت ہے۔ اَب یہی مقابلہ ہے۔ کہ بندہ اللہ کی رضا پاتا ہے تو اللہ نے فرمایا اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر 42) سن لے! بندے تو بعد میں آئیں گے، دنیا بعد میں آباد ہوگی، ابھی تو آدم علیہ السلام زمین پہ نازل نہیں ہوئے تھے۔ تو سن لے جو بندے میرے ہوں گے اُن پہ تیرا بس نہیں چلے گا۔ یہ طے ہے پہلے دن سے۔ جب بندے کے دل میں یہ ہو کہ مجھے وہ کرنا ہے جو میرا رب چاہتا ہے۔ جس کا اس نے مجھے حکم دیا ہے تو پھر شیطان کا بس نہیں چلتا۔ جب وہ اپنی خواہش کی طرف مُڑتا ہے کہ میں بھی کچھ موج اُڑا لوں تو ساتھ شیطان کو بھی موقع مل جاتا ہے۔ بندہ اگر اللہ کی اطاعت میں رہتا ہے تو حفاظتِ الٰہیہ نصیب رہتی ہے۔ اس سے نکل کر خواہشِ نفس کی پیروی میں آتا ہے تو حفاظتِ الٰہیہ اُٹھ جاتی ہے۔ شیطان کو بھی موقع مل جاتا ہے۔ تو شیطان کا سب سے بڑا بھی اور سب سے چھوٹا بھی ایک ہی حربہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ کی اطاعت کی بجائے خواہشاتِ نفس کی پیروی میں لگا دیتا ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائے۔ اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے، مہربانی فرمائے، نفس اور شیطان کے حربوں سے محفوظ رکھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

سوال: کیا ذکر چھوڑ دینے والے ساتھی کے لطائف اور مراقبات باقی رہتے ہیں؟ وہ ساتھی دوبارہ ذکر کہاں سے شروع کرے گا، قلب سے یا اپنے سابقہ اسباق سے؟

جواب: سادہ سا سوال ہے، اسباق جتنے بھی ہیں ان کی بنیاد ذکر ہے۔ تو کتنی بھی بلند عمارت ہو آپ اس کی بنیاد نکال دیں اور پھر یہ سوال پوچھیں کہ یہ عمارت باقی رہے گی؟ تو عجیب سی بات لگتی ہے۔ انبیاء کو نبوت عطا ہوتی ہے وہ اُن کی ذات کا وصف بن جاتا ہے اور وہ واپس نہیں ہوتی۔ ولی کو جو ولایت ملتی ہے اس کا تعلق کسب سے ہے۔ اس کی بنیاد ایمان پر ہے اور اس کا حصول محنت اور مجاہدے سے ہے اگرچہ ثمرات اس کے بھی وہی ہوتے ہیں لیکن اس کے ثمرات وہبی ہوتے ہیں۔ نبوت کی بنیاد بھی وہبی ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے، نبیؑ کی ذات کا وصف ہوتا ہے، اس سے جدا نہیں ہوتی۔ ولایت ایک مجاہدہ ہے اور حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر ۹۹) آخری دم تک جب حواس باقی ہیں تب تک اُس کی حفاظت کرنا پڑتی ہے اور اس کی بنیاد قائم رکھنا پڑتی ہے اور اگر کوئی چھوڑ دیتا ہے تو وہ کیفیات رخصت ہو جاتی

ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات بعض لوگوں کو مشاہدہ بھی ہوتا ہے، کشف بھی ہوتا ہے، ایسا بھی دیکھا ہے، پھر وہ چھوڑ دیتے ہیں پھر انہیں ہفتہ، دس دن، مہینہ، دو مہینے کچھ نہ کچھ چیزیں نظر آتی رہتی ہیں جیسے سورج غروب ہوتا ہے تو کچھ دیر پندرہ، بیس منٹ روشنی رہتی ہے تب تک سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے اور پھر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس میں بھی لوگوں کو بڑا مغالطہ لگتا ہے لیکن بالآخر تاریکی چھا جاتی ہے اور دوبارہ کرنے سے بھی، اللہ کریم مہربانی کرے اس کی اپنی عطا ہے وہ دے دے لیکن وہ بات نہیں بنتی، وہ مزہ نہیں آتا۔

سوال: مراقبات کرتے وقت توجہ ہٹ جائے تو روح واپس لوٹ آتی ہے۔ شیخ کے ساتھ مراقبہ کرتے وقت اس حالتِ توجہ کا کتنا دخل ہے؟

جواب: میرے بھائی! مراقبہ کرتے وقت انسانی توجہ دو طرف نہیں رہتی۔ بڑی عجیب بات ہے کہ انسان ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ جدھر متوجہ ہوگا وہی چیز سامنے آئے گی۔ دوسری طرف متوجہ ہوگا تو وہ جاتی رہے گی۔ تو توجہ ہٹ جائے گی تو وہ کیفیت بھی جاتی رہے گی۔ اب شیخ کے ساتھ بھی کرتے وقت اگر اس کی توجہ رہے گی تو وہ کچھ حاصل کرے گا۔ توجہ ہٹ جائے گی تو جیسے پتھر پہ بارش ہو رہی ہے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اب ایک کھیت پر بارش ہوتی ہے تو اور نتائج نکلتے ہیں، پتھر پر ہوتی ہے تو کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کھیتوں میں بھی فرق ہے۔ کسی میں کھاد بھی ہے، کسی نے ہل چلایا ہوا ہے تو کوئی ویسے ویران پڑا ہے۔ تو جیسا جیسا کھیت ہوتا ہے ویسے ویسے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اب یہ توجہ ہوتی ہے جو جذب کرتی ہے۔

سوال: آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد کیا ہے؟

جواب: سطریں تو دو ہی لکھی ہوتی ہیں لیکن اِن کے بیان کے لیے عمر چاہیے۔ ادب آپ کس کو کہتے ہیں۔ اِس کا مترادف احترام ہوگا۔ نہایت عجز و انکساری سے اگلے کی بات کو ماننا ادب ہے۔ ہم کہتے ہیں ہم باپ کا ادب کرتے ہیں۔ باپ کہتا ہے یہ کام کرو، ہم کہتے ہیں ہم سے نہیں ہوتا تو کیا یہ ادب ہوگا۔ ہم کہتے ہیں ماں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ ماں کہتی ہے مجھے پانی دو، ہم کہتے ہیں تیرے ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں وہ گھڑا پڑا ہے اُٹھ کر پی لے۔ اب یہ ادب ہوگا۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم پورے خلوصِ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر ہم اطاعت نہیں کرتے تو ادب نہیں کرتے اور آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بنیاد ہیں ایمان کی۔ جتنا ادب چھوٹ جاتا ہے۔ اتنا ایمان چھوٹ جاتا ہے۔ اب دیکھیں بارگاہِ رسالت کے بارے کسی نے فارسی کا شعر کہا تھا

ادب گا ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

کہ آسمان کے نیچے عرش سے بھی نازک ادب کی جگہ ہے

نفس گم کردہ می آیند جنید و بایزید اینجا

کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے عظیم لوگ بھی سانس سادھ کر، چپ کر کے، سانس بھی کھینچ کر آتے ہیں۔ میں یہاں پڑھا کرتا ہوں کہ

نفس گم کردہ می آیند ابو بکرؓ و عمرؓ اینجا

حضرت بایزید بہت بڑے ہوں گے لیکن کہاں ابو بکر صدیقؓ، کہاں فاروق اعظمؓ اور کہاں اولیاء اللہ اور واقع ہی ابو بکرؓ و عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی سانس کھینچ کر آتے تھے کہ اونچی آواز نکل گئی تو لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات: ۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس انداز میں ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے تمہاری آواز بلند نہیں ہونی چاہیے۔ اگر بلند ہوگئی تو اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تو تمہارے سارے اعمال ضبط کر لیے جائیں گے، سلب کر لیے جائیں گے وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اور تمھیں خبر بھی نہیں ہوگی۔ اب جو لوگ اُس وقت بارگاہِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے اور جن پر یہ آیت

طرح اوران کی نیکیاں میری آپ کی طرح نہیں تھیں۔ان کی نیکیاں تھیں کہ انہوں نے مشرکین مکہ کے مظالم سہے، انہوں نے ہجرتیں کیں، انہوں نے بدر و اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جانیں نچھاور کیں۔احد میں جب کفار کے تیروں کا رخ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تھا تو صحابیؓ ڈھال بن گئے۔اَب انداز دیکھیں کہ سامنے کھڑا ہونا انہوں نے سمجھا کہ بے ادبی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیروں سے بچانا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر الٹ کر نیچے ہاتھ رکھ کے آگے آ گئے۔سارے تیر اُن کی پشت میں پیوستہ ہوئے لیکن ڈھال بنتے ہوئے بھی آداب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھا کہ سامنے کھڑے نہ ہوں بے ادبی ہے۔جب ہم آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ہم نے مانا؟ اَب آگے ماننے کے درجے کھربوں ہیں۔انسان بھی کھربوں کی تعداد میں گزر چکے، گزریں گے۔ ہر بندے کی کیفیت اپنی ہے۔ہر بندے کے دل کا حال اپنا ہے۔ہر بندے کا خلوص اپنا ہے تو آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا اسی بات سے ہوتی ہے کہ ہم نے ارشادِ رسالت سنا۔قرآن کریم نے اصول بتایا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا (البقرہ:285) سنا اور تسلیم جان میں اتر گیا، بات ہی ختم ہوگئی ہم نے ایسا ہی کرنا ہے۔کوئی مشورہ، کوئی عقلی دلیل، کوئی خارجی تعاون، کوئی اور بھی ایسا کر رہا ہے کہ نہیں، کسی کی ضرورت نہیں۔ ادب کا تقاضہ ہے کہ میں نے سنا اور میں تو مان گیا۔کوئی مانتا ہے یا نہیں، عقل مانتی ہے یا نہیں، معاشرہ مانتا ہے یا نہیں، مخالفت ہوگی، مار پڑے گی، لوگ باتیں بنائیں گے جو ہوتا ہے ہو، میں نے ماننا ہے۔تو ادب رسالت پناہیؐ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔یہ نہیں کہ اَذان ہوئی تو انگوٹھے چوم لیے تو ادب ہو گیا یا کہہ دیا میں مسلمان ہوں میں بڑا ادب کرتا ہوں تو ادب ہو گیا۔ادب کی بنیاد ہے کہ آپ نے ارشادِ پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سنا اور صدقِ دل سے تسلیم کر لیا اور اس پر عمل کیا۔یہ پھر جو صدق دل ہے اس میں پھر جتنے لوگ ہیں اتنے مدارج ہیں۔ہر ایک کا خلوص اپنا ہے۔ہر ایک کے خلوص کی گہرائی اپنی ہے۔ہر ایک کی کیفیت اپنی ہے، تو اب اس کو ہم بیان کرتے جائیں تو زندگی کے ہر مسئلے میں تادمِ واپسیں بارگاہِ رسالتؐ سے وابستہ رہنا، بھول چوک ہو جائے تو توبہ کرنا، پوری کوشش، پورے خلوص سے اطاعت کرنا ادب ہے۔جہاں جہاں چھوٹے گا بے ادبی ہوگی۔اب آگے آپ اندازہ لگاتے رہیے۔ ہر بندے کا کردار بھی اپنا ہے، ہر بندے کی کیفیات اپنی ہیں، خلوص اپنا ہے۔ہم تو دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ میرے سمیت آپ کو بھی اور حاضر غائب تمام مسلمانوں کو بھی کیفیات عطا کرے۔

سوال: یہ ایک سوال ہے کہ شیخ جب ذکر کرا رہے ہوں تو تجلیات باری اور انوارات تمام سالکین پر برابر برس رہی ہوتی ہیں۔پھر ہر سالک اپنی استعداد کے مطابق جذب کرتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ استعداد میں کمی و بیشی بھی ہوتی ہے اور اس کمی بیشی کی وجوہات کیا ہیں؟

جواب:۔مزے دار سوال ہے بارش جب برستی ہے تو ہر زمین مختلف نتائج دیتی ہے کیونکہ زمین کی مختلف اقسام ہیں۔ایک زمین ہے جس میں ہل چلایا گیا ہے' تیار کی گئی ہے' کھیتی بنائی گئی ہے اس میں اس کا مختلف اثر ہوتا ہے۔ایک زمین جو بنجر پڑی ہے اس میں گھاس اگتی ہے' جھاڑیاں اگتی ہیں' پھول اگتے ہیں' مختلف اثر ہوتا ہے۔ایک کلرزدہ زمین ہے اس پر بارش ہوتی ہے تو اس کا کلر اور زیادہ بڑھ جاتا ہے اور زیادہ نمکیات ابھر آتے ہیں اور ساری زمین پر سفیدی آ جاتی ہے۔ایک پتھر ہے اس پر بارش ہوتی ہے تو اس کا اور اثر ہوتا ہے۔قرآن کریم میں ہے کہ جو تھوڑی بہت اس پر گرد ہوتی بھی ہے وہ بھی بارش کا پانی بہا لے جاتی ہے۔تو یہ اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے' اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے' اس پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اب یہ طبیعت یا مزاج یا استعداد میں کمی' اس کی بنیادی وجہ تو نیت اور ارادہ ہوتا ہے۔اگر نیت حصول رضائے باری کی ہو تو سب سے اعلیٰ استعداد نصیب ہوتی ہے۔پھر اس میں بعض اوقات لڑکھڑاہٹ آ جاتی ہے۔بندہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا آدمی بن جاؤں

گا، میں بزرگ بن جاؤں گا اور کوئی دنیوی فائدہ اٹھالوں گا۔ ذکر کروں گا تو مال بڑھ جائے گا' دولت آ جائے گی ۔ یہ قرآن کریم کو لوگوں نے وظیفے کی کتاب کیوں بنالیا ہے؟ حصول دنیا کے لئے یہ آیت پڑھو گے تو یہ مل جائے گا۔ وہ سورۃ پڑھو گے تو یہ مل جائے گا۔ حالانکہ یہ کتاب تو بارگاہ الوہیت میں سرخرو کرنے والی ہے اور بارگاہ رسالتؐ میں پہنچانے والی ہے لیکن لوگوں نے وہ باتیں چھوڑ دی ہیں۔ اس طرح کی چیزیں جب آتی ہیں تو یہ کردار کو متاثر کرتی ہیں۔ اگر نیت میں طلب رضائے باری کی ہے تو وہ کردار کی اصلاح کرتا ہے' اعمال درست ہوتے ہیں شریعت کے مطابق ہو جاتا ہے۔ نیت میں فتور آتا ہے تو اس کا اثر جا کر اعمال پر پڑتا ہے اور اعمال اور کردار شریعت کے مطابق نہیں رہتے خراب ہو جاتے ہیں۔ کردار خراب ہوتا ہے تو اس کا اثر قلب پر اور اس کی کیفیات پر پڑتا ہے۔ نیت کا بھی اثر ہو گیا تھا اوپر سے وہ کردار کا غبار بھی آ گیا تو اس طرح سے استعداد قبولیت جو ہے تو جتنی گرد پڑتی ہے تو ایک آئینے پر جتنی گرد پڑے گی اتنا اس آئینے کا جو کام ہے وہ اتنا کم ہوتا جائے گا۔ تو یہ فرق پڑتا ہے سب سے پہلے تو سالک کو چاہیے کہ نیت کو خالص رضائے باری کے لئے رکھے اور اس کا نسخہ قرآن کریم نے بتا دیا حضور ﷺ کو فرمایا! کہ لوگوں کو بتا دیجیے: "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي" اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو تم میرا اتباع کرو۔ یُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ ۱۳ آل عمران۔ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگ جائے گا۔ تو اس طرح سے استعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ یہ بندے کا جو مزاج ہے اس میں ہر آن ایک جھگڑ سا چلتا رہتا ہے۔ یا وہ بھلائی کی طرف بڑھتا رہتا ہے یا برائی کی طرف یا کبھی رک جاتا ہے۔ رک جانا بھی تو نقصان ہے۔ جو ترقی کر رہا ہے اس کا رک جانا یہ نقصان ہے۔ لہٰذا اس راہ میں یا نفع ہوتا ہے یا نقصان۔ کوئی کاروبار کرتا ہے تو اسے منافع نہیں ہوتا لیکن اصل رقم بچ جاتی ہے تو یہ بھی تو نقصان ہے کہ اس نے محنت کی' رقم خرچ کی' تو منافع کے لئے کی تھی وہ تو نہ ملا اور اگر اصل بھی ضائع کر بیٹھے تو زیادہ نقصان ہو گیا۔ یعنی کمانا تو منافع چاہیے تو استعداد، نیت، ارادے اور خلوص سے بنتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مراقبات کا جلدی ہونا یا دیر سے ہونا وہ بھی ایک الگ بات ہے۔ ضروری نہیں کہ جس کی نیت بہت اچھی ہے اسے فوراً ہو جائیں، ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ کریم بہتر جانتے ہیں کہ کب کس کو کون سی نعمت عطا کرنی ہے۔ الحمد اللہ! جب ہم لطائف کرتے تھے تو وہ لطائف کرتے تھے۔ آج کل تو پتا ہی نہیں چلتا کتنے سینکڑوں لوگ ہزاروں بھی بعض اوقات ذکر میں بیٹھے ہوتے ہیں یہاں دفتر میں میں ساتھ بیٹھا ہوتا ہوں کوئی پتا نہیں چلتا کہ کوئی ذکر کر رہا ہے۔ جب ہم کرتے تھے تو الحمد اللہ جس مکان میں، ہم کرتے تھے اس کے دروازے کھڑکیاں بج رہے ہوتے تھے اور گھنٹوں کے حساب سے کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے سردیوں میں سحری کے وقت کے لطائف میں چار سے چھ گھنٹے صبح کے لطائف کیا کرتا تھا۔ اسی طرح پھر شام کے اور جب ہم ذکر کیا کرتے تھے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سردیوں میں دسمبر کی راتوں میں ہم گڑ کا شربت پیا کرتے تھے۔ اور پیٹ خراب ہو جایا کرتا تھا اور منہ پھول جایا کرتے تھے' اندر سے چھالے بن جاتے تھے' خون آنا شروع ہو جاتا تھا۔ دو چیزیں ہمیشہ پاس رکھتے تھے' اسپغول کا چھلکا اور پھٹکری۔ جب پیٹ خراب ہوتا تھا تو اسپغول کا چھلکا پانی میں حل کر کے پھر اس میں گڑ ڈال کر پیا کرتے تھے اور جب منہ سے خون آنے لگتا تھا چھالے بن جاتے تھے تو پانی میں پھٹکری گھول کر غرغرے کیا کرتے تھے جبکہ سردیوں کی دسمبر کی راتیں ہوتی تھیں۔ اب تو اس طرح کی محنت کوئی نہیں کرتا۔ مجھے لطائف کرنے میں تین سال لگے۔ مجھے تین سال لگے تھے لطائف میں۔ جو میرے ساتھ لوگ آتے تھے ایک ہفتے میں فنا فی الرسول اور فنا بقا بھی کر کے چلے جاتے تھے اور میں تین سال لطائف کرتا رہا۔ حضرتؒ نے سولہ سال لطائف کئے اور سولہ سال بعد آپؒ کو سالک المجذوبی تک مراقبات نصیب ہوئے۔ یہ اللہ کریم کی اپنی عطا' اپنی تقسیم ہے کہ کہاں کتنی مضبوط بنیاد رکھنا چاہتا ہے، کتنی مضبوط عمارت بنانا چاہتا ہے۔ وہ خود بہتر جانتا ہے۔ ایک دفعہ ہم ڈھلیاں میں تھے

حضرتؒ کے ساتھ حاجی محمد خانؒ بھی تھے تو ایک پیر صاحب آ گئے۔اس زمانے میں جب لوگوں کے پاس سائیکل بھی نہیں ہوتی تھی ان پیر صاحب کے پاس مورس گاڑی تھی۔ مورس گاڑیاں میرا خیال ہے 60 میں تو وہ بننا بند ہو گئیں۔ کمپنی ہی ختم ہو گئی۔ تو وہاں وہ پیر صاحب حضرتؒ کے پاس آ گئے۔ایک رات، دوسری رات، تیسری رات اور تیسری رات تک تو انہیں لطائف بھی احدیت، معیت اور مشاہدات بھی ہو گئے۔اب ہم جو سال ڈیڑھ سال سے دھکے کھا رہے تھے ہم دیکھ رہے تھے کہ یار! یہ کل آیا ہے اللہ بہتر جانے کہ اس کی قسمت اتنی اچھی ہے۔تیسرے دن حضرتؒ نے اس سے پوچھا کہ بھئی بتاؤ کہ لطائف کی کوئی سمجھ آئی؟ اس نے کہا کہ جی آئی۔ کیسے آئی؟ اس نے سارے رنگ بتائے، انوارات بتائے' کیفیت بتائی۔ مراقبات کی سمجھ آئی کہ میں نے احدیت کو یوں پایا، یوں دیکھا' معیت پر یہ دیکھا وہ دیکھا' اقربیت پر یہ دیکھا وہ دیکھا تسلی ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا اب جاؤ۔ تمہارا رزق حلال نہیں ہے۔تم قبر کی آمدنی کھاتے ہو اور قبر کی آمدنی حلال نہیں ہوتی۔کوئی صاحب قبر کو پیسے دے جائے تو صاحب قبر تو مالک نہیں بن سکتا تو قبریں بیچ کر' نذرانے لے کر کھاتے ہو یہ حلال رزق نہیں ہے۔ اگر یہ پیشہ چھوڑ دو اور حلال روزی کما سکو تو پھر میرے پاس چلے آنا اور اگر ایسا نہ کر سکو تو تم سے یہ مراقبات بھی چلے جائیں گے اور تم بھی چلے جاؤ گے۔ اب ہمیں سمجھ آئی تو بعد میں حضرتؒ نے خود پھر وضاحت کر دی کہ اللہ نے اس لیے اسے یہ نعمت عطا کر دی تھی کہ یہ نہ سمجھے ہے ہی کچھ نہیں۔ اب اسے تسلی ہو گئی۔اب اس کی (Choice) مرضی ہے کہ اللہ اللہ کو چاہتا ہے کہ دنیا کو۔ اگر دنیا کو چاہتا ہے تو ادھر سے محروم ہو جائے گا۔ اللہ اللہ چاہتا ہے تو اپنا رزق حلال کرے گا اور آ جائے گا۔ پھر وہ نہیں آیا کیا آنا تھا؟ تو یہ اللہ کی حکمتیں ہیں اللہ کریم کے اپنے کام ہیں۔ بندے میں طلب ہونی چاہیے رضائے الٰہی کی' اتباع رسالت کا درد ہونا چاہیے تو استعداد بڑھتی ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو کوئی اور چیزیں آ جائیں۔ دل میں' ذہن میں' کسی وقت بھی آ سکتی ہیں کہیں گڑبڑ ہو جائے تو پھر وہ ضائع چلی جاتی ہیں۔ بندے کو اپنی چوکیداری کرنی پڑتی ہے کہ میری تمنا خالص رہے۔ہم تو دوسروں کی کرتے ہیں۔نہ گھر کی نگرانی کی' مال کی' کی سب سے زیادہ نگرانی اپنی کرنی پڑتی ہے۔ الا اللہ! وقت تو ہمارا پورا ہو گیا چلو ایک سوال ہے کر ہی لیتے ہیں۔

سوال: ۔قرآنی دعا ہے۔رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی (طٰہٰ 25) اے میرے رب میرا سینہ کھول دے۔ اب یہاں لفظ قلب نہیں صدر ہے ۔میرے دو سوال ہیں۔سینہ کھول دے سے کیا مراد ہے؟ کیا انسانی وجود میں سینے کی کوئی خاص اہمیت ہے؟

جواب: ۔گزارش یہ ہے۔کہ سینہ کھول دیے یہ محاوراتی زبان ہے۔ مراد قلب ہی ہوتا ہے اور سینہ میں ہی قلب ہے۔ اور یہ ایک محاورہ ہے کہ اللہ سینہ کھول دے۔ تو یہ سینہ تنگ ہو جائے قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم جس سے ناراض ہوتے ہیں اس کا سینہ دین کے لئے تنگ کر دیتے ہیں تو کوئی (Physically) (ظاہری طور) پر تو سینہ تنگ نہیں ہوتا۔ دل میں وہ علوم کے خزانے انڈیل دے کہ مقابلے میں جو بات بھی آئے میں اس کا جواب دے سکوں۔ تو سینہ کھولنے سے مراد ہوتا ہے کہ اللہ قلب میں اپنے علوم عطا کر دے اور معرفت عطا کر دے اور اپنی ذات پر اعتماد عطا کر دے تو یہ شرح صدر ہو گیا۔ شرح صدر سے مراد محاورہ ہے' مراد دل ہی ہوتا ہے' دل چونکہ سینے میں ہے تو عموماً سینے کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔ یہ دوسرا حصہ ہے سوال کا کیا انسانی وجود میں سینے کی کوئی خاص اہمیت ہے؟ بھئی سینے کی اہمیت یہ ہے کہ سینے میں دل ہوتا ہے اور دل مادی زندگی کی بھی بنیاد ہے اور روحانی زندگی کی بھی۔ دل مادی طور پر بگڑ جائے تو مادی زندگی کے لیے خطرہ بن جاتا ہے اور روحانی طور پر بگڑ جائے تو روحانی زندگی کے لئے خطرہ بن جاتا ہے۔ اسی دل کے اندر ایک لطیفہ ربانی ہے جسے لطیفہ قلب کہتے ہیں۔ انگریزی والے اسے (Subtle Heart) کہتے ہیں۔ سائنس والے بھی مانتے ہیں اور وہ (Subtle Heart) بگڑے لطیفہ' قلب بگڑے تو روح کے لئے' روحانی زندگی کے لئے خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ مادی دل بگڑے تو مادی زندگی

------(بقیہ صفحہ نمبر 18 پر)------

آدابِ ذکر

مولانا محمود خالد، بہاولپور

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ

(اعراف 205)

اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں یاد کریں عاجزی اور خوف سے اور اونچی آواز کے بغیر صبح وشام (ہمہ وقت) اور (کبھی) بھولنے والوں میں شامل نہ ہوں۔

اللہ کریم نے آیت کریمہ میں آداب ذکر بیان فرمائے ہیں

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ (اپنے رب کو یاد کریں)۔آیت کریمہ کے اس حصہ میں ذکر کا حکم ہے۔اور آگے اس کے آداب بیان کئے گئے ہیں۔مفسرین کرام کے ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا ادب: فرمایا، فِىْ نَفْسِكَ (اپنے دل میں) یعنی اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کریں (ذکر خفی کے عنوان سے اسی آیت کے اسی ابتدائی حصہ کے متعلق تفصیلی مضمون ماہنامہ المرشد میں گزرا۔بات تازہ کرنے کے حکم کے لیے صرف دو حوالے پیش خدمت ہیں۔

حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں:

کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کو دل میں یاد کریں۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ذکر سے مکمل طور پر فائدہ اس صورت میں حاصل کر سکتا ہے جب ذکر میں یہ صفت پیدا ہو جائے اس لیے کہ اس شرط (یعنی ذکر خفی قلبی) سے ذکر کرنا، یہ اخلاص، عاجزی (اور عظمت الٰہی کے احساس) سے زیادہ قریب ہے۔

اسی آیت کی تفسیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ نے حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری صاحبؒ سے یوں بیان فرمائی ہے۔

''ہم قرآن کی آیت کے لفظ سے باہر نہیں جاتے ہیں پس اس سے مراد ذکر ہے نہ کہ نماز، اگرچہ نماز بھی ذکر ہے اور وَاذْكُرْ رَّبَّكَ سے ظاہر مراد ذکر قلبی ہے لسانی نہیں نماز تو ذکر لسانی ہے۔(نفحۃ العنبر ین ہدی الشیخ انور،ص 135)

دوسرا ادب: تضرعا (عاجزی سے)

حضرت علامہ محمد عبدالحق حقانی دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''تضرع کے ساتھ یعنی عجز و نیاز ہو بلحاظ جلال خوف اور بلحاظ جمال امید بھی ہو'' (تفسیر فتح المنان المعروف تفسیر حقانی ج2 ص373)

حضرت مفتی شفیق صاحبؒ لکھتے ہیں:

عاجزی اور تضرع کے ساتھ ذکر کیا جائے جو نتیجہ اس کا ہوتا ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ کی عظمت وجلال مستحضر ہو اور جو ذکر کر رہا ہے اس کے معنی ومفہوم پر نظر ہو (معارف القرآن ج4 ص168)

(حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبند۔انوار القرآن ج ص639)

تیسرا ادب: خِيْفَةً (خوف سے)

حضرت علامہ محمد عبدالحق حقانی دہلوی لکھتے ہیں:

اس خوف کے مراتب ہیں، کبھی اپنی تقصیر عبادت کا، کہیں اس کی بے نیازی کا

یار بے پرواو فریاد من بے اثر گہہ زدل فریاد میدارم گہہ از فریاد رس

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

''ذکر و تلاوت کے وقت انسان پر ہیبت اور خوف کی کیفیت ہونا چاہیے۔خوف اس کا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عظمت کا حق ادا نہیں کر سکتے ممکن ہے ہم سے کوئی بے ادبی ہو جائے نیز اپنے گناہوں کے استحضار سے عذاب الٰہی کا خوف نیز انجام اور خاتمہ کا خوف کہ معلوم نہیں ہمارا خاتمہ کس حال پر ہوتا ہے''۔

(معارف القرآن ج4 ص168)

تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً (عاجزی اور خوف سے)

ابی جعفر محمد بن جریر طبری (المتوفی 310ھ) لکھتے ہیں:

''حضرت مجاہد'' فرماتے ہیں سب کو حکم دیا گیا ہے کہ عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے اسے (اللہ تعالی) کو اپنے دلوں میں یاد کرو۔

(جامع البیان المعروف تفسیر طبری ج9 ص166)

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی صاحب'' ذکر خفی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ذکر پوشیدہ ہو اور تضرع وزاری کے ساتھ ہو، اللہ تعالی سے ڈرتے ہوئے اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔'' (انوار البیان ج2 ص402)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب'' لکھتے ہیں:

پچھلی (اور اسی) سورۃ میں بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالی کا ذکر عاجزی کے ساتھ اور آہستہ کرنا بہتر ہے کیونکہ اس میں ریاکاری بھی نہیں ہوتی اور کسی کو تکلیف بھی نہیں ہوتی ایسا ذکر اجر کے لحاظ سے بھی بہتر ہوگا کیونکہ حضور ﷺ السلام کا فرمان ہے خَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي وَخَيْرُ الذِّكْرِ مَا يَخْفِي یعنی بہتر روزی وہ ہے جو انسان کے لیے کفایت کر جائے اور بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ طریقے سے ہو۔'' (معالم العرفان ج8 ص674)

حضرت علامہ سید امیر علی ملیح آبادی صاحب'' لکھتے ہیں:

''تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً کے معنی ہیں کہ عظمت وجلال کے سوا اسے کچھ نظر نہ آوے اور اپنے بندہ ہونے کا یقین ہو۔''

(مواہب الرحمن ج3 ص178)

تفصیلی مطالعہ کا ذوق رکھنے والے صفحہ 179 کی پہلی پانچ سطر کا مطالعہ فرمائیں۔

سید قطب شہید'' لکھتے ہیں اگر وہ (ذکر اللہ) عاجزی انکساری اور خوف وخشیت کے ساتھ نہیں ہے تو ہرگز ذکر نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض دفعہ تو اللہ تعالیٰ کے حضور بے ادبی میں داخل ہوتا ہے۔ ذکر کا یہ مطلب ہے کہ عاجزی اور فراغت کے ساتھ، خشیت اور تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ اس کی عظمت وجلال کا استحضار کیا جائے، اس کے غضب وسزا سے خوف کیا جائے۔ اس سے التجاء اور امید کا پورا استحضار کیا جائے۔ اس طرح انسان کے اندر روحانی جوہر صاف ہوگا۔ اور اپنے روشن لدّنی مصدر کے ساتھ متصل ہوگا۔''

(ظلال القرآن ج3 ص635)

چوتھا ادب: وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (اونچی آواز کے بغیر)

حضرت ابی السعود محمد بن العمادی (المتوفی 951ھ) لکھتے ہیں

''وہ کلام بغیر جہر ہو وہ حسن تفکر کے زیادہ قریب ہو۔''

(تفسیر ابی السعود ج2 ص244)

حضرت مولانا قاضی اللہ ثنااللہ پانی پتی صاحب'' لکھتے ہیں

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ پر عطف تفسیری ہوگا (جو مطلب فِيْ نَفْسِكَ کا ہوگا وہی مطلب وَدُوْنَ الْجَهْرِ کا) یعنی زبان سے آواز نکلے بغیر دل ہی دل میں)

(تفسیر مظہری ج4 ص461)

سید قطب شہید صاحب لکھتے ہیں!

''جب زبان کی حرکت دل سمیت ہو، ہونٹ روح کے ساتھ ہلیں تو ایسے طور پر ہلیں کہ اس سے خشوع متاثر نہ ہو اور فراغت پر اثر نہ پڑے یہ ہلکی آواز سے ہو، نہ کہ سیٹی بجا کر اور تالیاں پیٹ کر، چیخ پکار کر نہ ہو اور گانا بجانا ہو کر نہ رہ جائے۔'' (تفسیر ظلال القرآن اردو ج3 صفحہ 635)

پانچواں ادب: بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (صبح وشام (ہمہ وقت) قاموس میں ہے، اَلْغُدْوَة بالضم تڑکا یا دن کی پو پھٹنے سے طلوع آفتاب

حضرت امام جلال الدین السیوطی صاحب'' لکھتے ہیں:

''امام عبد بن حمید نے معرف بن واصل'' سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو وائل کو سورج کے غروب ہونے کے وقت اپنے غلام کو کہتے سنا ''اَصَلْنَا'' یعنی ہم نے شام کی۔ (تفسیر دور منشور ج3 صفحہ 659)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب'' لکھتے ہیں:

''وَالْآصَالِ یعنی دن کا آخری وقت یہ اَصِيْلَ کی جمع ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اصیل کا وقت عصر سے مغرب تک ہوتا ہے۔ ان دو وقتوں کو فضیلت

حاصل ہے اس لیے خصوصیت سے ان دو وقتوں کا ذکر کیا ہے ورنہ مراد ہے دوام ذکر ہر وقت اللہ کی یاد کرنا۔"

(تفسیر مظہری ج4 ص61)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

"بعض فرماتے ہیں کہ غُدُوِّ سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک کا وقت ہے مگر صحیح اس کا وقت طلوع فجر سے لے کر زوال شمس تک ہے۔ جہاں تک آصال یعنی پچھلے پہر کا تعلق ہے، بعض نے فرمایا ہے وقت عصر سے مغرب تک کا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ زوال کے بعد سے لے کررات کے آنے تک کا وقت مراد ہے دوسرے مقام پر زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ یعنی رات کی گھڑیوں کے الفاظ آتے ہیں۔ بہرحال، فرمایا کہ اپنے رب کو یاد کرو صبح کے وقت اور پچھلے پہر بھی اور مطلب یہ ہے کہ ذکر پر ہمیشہ مداومت اختیار کرنی چاہیے۔"

(معالم العرفان ج8 صفحہ 675)

حضرت علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

"صبح وشام ذکر کیا کر۔ ان اوقات میں ملاء اعلیٰ کی توجہ بھی بندوں کے قلوب کی طرف ہوتی ہے۔"

حاشیہ میں ہے ذکر سے عام مراد ہے اور نماز کی فرضیت سے پہلے صرف صبح وشام ذکر الٰہی فرض تھا۔"

(تفسیر فتح المنان المعروف تفسیر حقانی ج4 ص207)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

"آخر وقت میں ذکر وتلاوت کے اوقات بتلائے کہ صبح وشام ہونا چاہیے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کم از کم دن میں دو مرتبہ صبح اور شام ذکر اللہ میں مشغول ہونا چاہیے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبح شام بول کر مراد تمام لیل ونہار کے اوقات ہوں جیسے مشرق مغرب بول کر سارا عالم مراد لیا جاتا ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ انسان پر لازم ہے ہمیشہ ہر حال میں ذکر وتلاوت کا پابند رہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔" (معارف القرآن ج4 ص169)

حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی صاحبؒ لکھتے ہیں:

"صبح وشام اپنے رب کو یاد کرو، صاحب روح المعانی ص100 ج9 پر لکھتے ہیں کہ صبح شام کا خصوصی ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہ فراغت کے اوقات ہیں ان اوقات میں دل کی توجہ ذکر کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ان اوقات میں فرشتوں کا آنا جانا ہوتا ہے اس لیے ان اوقات کو خاص طور پر سے ذکر فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دوام ذکر مراد ہے کہ ہر وقت ذکر کرو"

(انوار البیان ج2 ص403)

حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

"یعنی روزانہ کم از کم دو مرتبہ صبح وشام ذکر ہونا چاہیے یا دوام ذکر مراد ہے جیسا کہ حدیث عائشہؓ كَانَ يَذْكُرُ اللهَ عَلٰى كُلِّ حِيْنٍ

(انوار القرآن ج3 ص640)

سید قطب شہید صاحبؒ لکھتے ہیں: اس آیت میں ذکر کے دو اوقات بیان ہوئے ہیں صبح اور شام۔ ان دو اوقات میں خاص طور پر ذکر اللہ کے نتیجے میں دل میں دن کے دونوں اطراف میں اللہ کے ساتھ واصل رہتا ہے جہاں تک دل کا تعلق ہے ہر وقت اللہ کا ذکر اس میں ہونا چاہیے

(تفسیر فی ظلال القرآن ص635).

حضرت مولانا سید محمد احسن صاحبؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"بہرحال ہر شام کو بھی جب سونے لگے تو خدا کی یاد کے بعد سوئے ممکن ہے کہ سونے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہو، ہمیشہ کے لیے خواب عدم میں رہے۔ بعض علماء نے صبح وشام کے فوائد میں یہ بیان کیا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد اور عصر کے بعد اور نماز پڑھنا جائز نہیں اس لیے خدا کا حکم ہوا کہ اس وقت خدا کی یاد کیا کرو تا کہ کوئی وقت خدا کی یاد سے خالی نہ جائے اور بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ بندوں کے عمل صبح شام اٹھائے جاتے ہیں رات کے عمل صبح کے وقت اور دن کے عمل شام کے وقت اس لیے مستحب ہے کہ صبح وشام خدا کا ذکر کیا جاوے تا کہ عمل کی ابتدا اور اس کا اختتام خدا کے ذکر ہی پر ہو۔" (احسن التفاسیر اردو ص946)

چھٹا ادب: وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (اور کبھی بھولنے میں شامل نہ ہوں)

حضرت امام جلال الدین السیوطی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''امام بزار اور طبرانی نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے آیت کے اس حصہ بارے فرمایا کہ غافلین میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے میدان جنگ سے بھاگ جانے والوں میں سے لڑنے والا''

(درمنثور ج3 ص659)

حضرت عبدالحق حقانی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''ہروقت دل میں اس کا دھیان رہے چلتے پھرتے، کھاتے بیٹھتے تاکہ ملائکہ سے مشابہ ہوجائے''

(تفسیر فتح المنان المعروف تفسیر حقانی ج2 ص373)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''ذکر کا مقصد ازالہ ءغفلت اور اتنا انہاک کہ خود ذاکر کو بھی اپنا ہوش نہ رہے وہ اپنے آپ کو بھول جائے اور بصیرت کے اندر خدا ہی خدا رہ جائے''

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ دوام ذکر پر ہی دلالت کر رہی ہے یعنی کسی وقت اللہ سے غافل نہ ہو

(تفسیر مظہری ج4 ص460- 462)

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب خلیفہ مجاز شاہ ابرارالحق صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب ؒ) نے فرمایا کہ ذکر اللہ کی دو قسمیں خفی و جلی تو ثابت ہیں، مذکورہ آیت سے تیسری قسم یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ غفلت نہ ہو یعنی فکر ہو، فکر میں اگرچہ زبان کی حرکت نہیں ہوتی تاہم قلب بیدار رہتا ہے جو ایک قسم کا ذکر ہے۔''

(قرآنی تعلیمات ص177 تفسیر ماجدی ص393)

'' آخر آیت میں فرمایا وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ یعنی اللہ کی یاد چھوڑ کر غفلت والوں میں نہ ہو''

حضرت علامہ سید امیر علی ملیح آبادی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''یعنی ہم سے کسی اور طرف مشغول نہ ہو اور ایسے لوگوں میں سے مت ہو جو انعام فرمانے والے سے نظر خطا کر کے انعام کی طرف ڈالتے ہیں۔

سہلؒ نے کہا کہ میں تم سے سچ بات یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس کا کوئی سانس بدون یاد الٰہی چلا گیا وہ غافل گیا۔''

(مواہب الرحمن ج3 ص178)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''کسی وقت یاد خداوندی سے غافل نہ ہو، غفلت سے بڑھ کر کوئی خسارہ اور محرومی نہیں'' (معارف القرآن ج1993)

حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ سے معلوم ہوا کہ ذکر کی ایک قسم ذکر فکر بھی ہے جس میں زبان کو حرکت نہیں ہوتی اور ذکر کی اقسام میں ہر ایک کے مناسب ذکر کی تجویز شیخ مبصر ہی کر سکتا ہے (انوارالقرآن ص643)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''غفلت کا معنی پردہ پڑ جانا ہے انسان کے دل پر جہالت اور معصیت کا پردہ پڑ جاتا ہے اور اس کا اتصال ملاءاعلیٰ کے ساتھ قائم نہیں رہتا اس لیے فرمایا کہ آپ غافلوں میں سے نہ ہوں بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ سے بعید چیزوں میں سب سے بعید قلب غافل ہے۔ جب انسان غافل ہوجاتا ہے تو اس کا دل سخت ہوجاتا ہے اور اس پر شیطان مسلط ہوجاتا ہے لہٰذا اس سے بچنے کے لیے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ (معالم العرفان ج8 ص675)

سید قطب شہید صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''غافل وہ لوگ ہیں جو قلب وجان میں ذکر الٰہی کو جاری وساری نہ کر سکیں، صرف زبان ہلانے اور ہونٹوں کی حرکت کو کافی سمجھیں جو انسان اللہ کی نافرمانی سے شرمندہ نہیں وہ غافل ہے موجودات میں تفکر وتدبر سے گریز کرنا غفلت ہے۔ ذکر اللہ کو زبان وقلب اور جسم وجان کا وظیفہ بنانا اور غفلت سے پرہیز کرنا۔ (تفسیر فی ظلال القرآن ج3 ص636)

جناب محمد امین اصلاحیؒ لکھتے ہیں

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ اس مفہوم کی تاکید کے لیے ہے یعنی خدا کی یاد

سے کسی وقت بھی غفلت نہ ہو جس طرح جسم کی زندگی کے لیے سانس کی آمد و شد ضروری ہے اسی طرح روح کی زندگی کے لیے ذکر الٰہی ضروری ہے۔ شیطان ہر وقت حملہ کی گھات میں رہتا ہے کسی وقت بھی اس کام سے غافل نہیں ہوتا اس وجہ سے اس سے پناہ حاصل کرنے کے لیے جو حرز ہے آدمی کو اس سے بھی کسی وقت غفلت نہیں ہونی چاہیے اس ذکر کی شکلیں اور صورتیں حالات، مقتضیات اور اوقات کی تبدیلی سے بدل بدل جاتی ہیں لیکن اس سے غفلت کسی وقت بھی جائز نہیں۔ انسان جہاں غافل ہوا شیطان کسی نہ کسی راہ سے حملہ آور ہو جائے گا۔"

(تدبر قرآن ج2 ص990)

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب ؒ لکھتے ہیں:

"غافلوں" کی جماعت سے نہ ہو جو تمام روز دنیا کے دھندوں میں ہو کر لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا کے مصداق ہیں جن کے حق میں کسی بزرگ نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

اہل دنیا کافران مطلق اند
روز شب در زق زق و در بق بق اند

ترجمہ: دنیا والے مطلق کافر (ناشکرے) ہیں رات کے دن ذلت و شرمندگی اور جھک مار رہے ہیں) (تفسیر ثنائی ج1 ص509)

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث دہلوی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

"صحیح بخاری و مسلم میں ابو موسیٰ اشعری ؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو لوگ یاد الٰہی سے غافل ہیں ان کی مثال مردہ لوگوں کی سی ہے مطلب یہ کہ مرنے کے بعد آدمی کا نیک عمل بند ہو جاتا ہے اس لیے جتنے بھی جن لوگوں نے یاد الٰہی جیسے نیک عمل کو چھوڑ رکھا ہے ان کا نیک عمل مردوں کی طرح بند ہے۔ ذکر الٰہی کی فضیلت اور تاکید میں اور ذکر الٰہی سے غفلت کی مذمت میں اور بھی حدیثیں ہیں۔ یہ حدیثیں آیت کی گویا تفسیر ہیں کیونکہ آیت میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ذکر الٰہی کا حکم فرما کر اس سے غفلت کرنے کو منع فرمایا ہے امت کے حق میں وہی بات ان حدیثوں میں اللہ کے رسول نے فرمائی ہے۔

(احسن التفاسیر اردو۔ ص346 المکتبہ السلفیہ لاہور

حاصل مطالعہ: 1۔ آیت کے ابتدائی حصہ میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے جو سنت رسول ہے نماز یا ذکر لسانی مراد نہیں

2۔ انسان کو اپنے بندہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا احساس ہوتا ہے وہ اس کے حضور اپنی عاجزی پیش کرتا ہے

3۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں کہ وہ بے نیاز ذات ہے ہماری عبادت قبول کرے نہ کرے ہم اس کی شان کے لائق اس کی عبادت اور عظمت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ خود کو گناہگار سمجھتے ہوئے برے خاتمے سے ڈرنے اور اس سے بچنے کی امید رکھنی چاہیے۔ عاجزی اور خوف دونوں کا تعلق قلب (دل) سے ہے۔ ایسا ذکر جو دل میں ہو عاجزی اور خوف سے ہو اس کا بڑا مرتبہ ہے۔

4۔ بعض مفسرین کے نزدیک دون الجھر سے مراد یہ ہے کہ ذکر لسانی بھی ہو تو آواز پوشیدہ ہو یہ حسنِ فکر کی علامت ہے نیز اخلاص کے زیادہ قریب ہے اگر ذکر لسانی آواز سے ہو تو درمیانی آواز سے ہو خود سن سکے اور اس سے بھی ذکر قلبی میں قوت حاصل ہوتی ہے۔ زبان و ہونٹ کی حرکت کے ساتھ دل اور روح بھی شامل ہوں۔ دل کے بغیر محض زبان کے ذکر سے وہ فوائد و مقاصد حاصل نہیں ہوتے جو ذکر قلبی سے حاصل ہوتے ہیں۔ شہرت، ریا و نمود و نمائش سے بھی بچ جاتا ہے۔

5۔ کم از کم صبح و شام دو وقت ذکر کرے اصل مقصود دوام ذکر یعنی ہر وقت ذکر ہے یہی اسوہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے۔

6۔ ذکر غفلت کی ضد ہے۔ ہر وقت اللہ کی یاد میں رہے بھولنے والوں میں شامل نہ ہو، یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ ذاکر کی مثال اس مجاہد کی ہے جو میدان جنگ میں اس وقت جم اور ڈٹ جائے جس وقت لوگ میدان جنگ سے بھاگ رہے ہوں۔ ہر وقت دل میں ذکر کرنے والا فرشتوں کے مشابہ ہے۔

بقول حضرت سہیل "جس کا کوئی سانس بدون (بغیر) ذکر چلا گیا وہ غافل ہے۔ اللہ کریم ہمیں غفلت سے بچا کر ایسی توفیق عطا فرمائے کہ ہمارا کوئی

باقی صفحہ نمبر 18 پر

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری کے آداب

عامر ندیم لاہور

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بےادبی ست

۱۔ جب زیارت کا ارادہ کریں تو نیت کیا ہو، ملاعلی قاری ''شرح شفا'' میں لکھتے ہیں کہ نیت حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہی کی ہونی چاہئے۔ (فضائل حج ص ۱۱۰)

شیخ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صرف زیارت روضہ اقدس ﷺ کی نیت کرنا اولیٰ ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی زیارت بھی اس کے ذیل میں حاصل ہوجائے گی۔ معلم الحجاج ص (325)

معجم کبیر طبرانی میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''مَنْ جَاءَ نِیْ زَائِرًا لَا تُحْمِلُهُ حَاجَةً اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ شَفِیْعًا یَوْمُ الْقِیَامَةُ (طبرانی) ابن السکن نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(ترجمہ) جو میری زیارت کی غرض سے آیا سوائے زیارت کے کسی اور غرض سے اس کا آنا نہیں ہوا اسکا میرے اوپر حق ہے کہ قیامت میں اس کے لیے شفاعت کروں۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والے کو واجب ہے کہ ایسا ادب کرے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات میں لازم ہے۔ کیونکہ اب بھی آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ زرقانی علی المواہب جلد ہشتم ص304/ حیات النبی صفحہ 58

تیری ذات کریم حیات ہے تیرا عشق حیات آفریں
تری اِک نظر کی بات ہے تری بات حیات آفریں

۳۔ خود رسالت مآب فخر عالم (ﷺ) نے زیارت کی ترغیب دی ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس دولت سے نوازا جائے اور بد بخت ہے وہ شخص کہ باوجود قدرت اور وسعت کے اس نعمتِ عظمٰی سے محروم رہ جائے۔ (معلم الحجاج ص ۳۲۳)

(ا) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میری زیارت کو آئے اور اس کے سوا کوئی اور نیت اس کی نہ ہو تو مجھ پر حق ہوگیا کہ اس کی سفارش کروں۔ (طبرانی)

(ب) جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت میری وفات کے بعد کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (مشکوٰۃ)

(ج) حضرت ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ (رواہ ابن عدی)

۴۔ "شرح مختار" میں ہے کہ زیارتِ روضۂ اطہر ہر شخص کے لیے واجب کے قریب ہے جس میں استطاعت ہو۔ فتاوٰی عالمگیری ص 209/ حیات النبی ص (46

۵۔ روضۂ اقدس ﷺ کی جانب جاتے ہوئے کثرت سے درود شریف پڑھے اور ادب سے گردن جھکاتے ہوئے جائے۔

ہے وظیفہ میرا اِن پہ درود اور سلام
یوں شب روز لیا کرتا ہوں محبوب ﷺ کا نام

۶۔ مسجد نبوی شریف میں داخل ہونے سے پہلے صدقہ مسنون ہے۔ سورۃ مجادلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اے ایمان والو! جب تم پیغمبر سے سرگوشی میں بات کرنا چاہو تو اپنی بات سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم نہ کر سکو تو یقیناً اللہ بخشنے والے رحمت کرنے والے ہیں''۔

۷۔ مسجد نبوی شریف میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے، نہ ہو سکے تو کم از کم وضو ضرور کرے اس کے بعد بہترین لباس پہنے اور خوشبو لگائے پھر مسجد نبوی میں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضری دے۔ اگر فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہو یا نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پہلے فرض نماز پڑھئے تحیۃ المسجد بھی اس سے ادا ہو جاتا ہے۔) معلم الحجاج ص ۳۲۹

۸۔ پھر قبر شریف کے پاس آئے اس کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف پشت کرے اور سر مبارک سے چار گز کے فاصلے پر کھڑا ہو۔ (فتح القدیر ص80/ حیات النبی ص (48

۹۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، ''مَنْ صَلّٰی عِنْدَ قَبْرِیْ

سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ'' کہ جو شخص میری قبر کے پاس کھڑا ہو کر مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو کسی اور جگہ درود پڑھتا ہے تو اس کا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔

۱۰۔ روضۂ اقدس ﷺ پر رٹے ہوئے الفاظ اور بغیر سمجھے ہوئے طوطے کی طرح پڑھنے کی بجائے نہایت ادب اور سکون سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھ لیا جائے۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

نوٹ: اپنا اور دوسروں کا سلام درمیانی آواز میں پیش کریں۔

۱۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور یہ لوگ جب اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور پیغمبر بھی ان کے لئے معافی چاہتے تو ضرور اللہ کو قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے '' (سورۃ النساء)

اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں۔

۱۲۔ ایک بدو قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور کھڑے ہو کر عرض کیا یا اللہ تو نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے یہ تیرے محبوب ﷺ ہیں اور میں تیرا غلام ہوں۔ اپنے محبوب ﷺ کی قبر پر مجھ غلام کو آگ سے آزادی عطا فرما۔) مواہب/فضائل حج ص 135

۱۳۔ روضۂ اقدس کے پاس شورمت کریں ایک دوسرے سے باتیں کرنے سے گریز کریں۔حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورۃ حجرات میں خصوصیت سے اس طرف توجہ دلائی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔''اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بات کیا کرو جیسے آپس میں کھل کر (بے تکلفی سے) بات کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو'۔ (اکرم التراجم ص978)

لے سانس بھی آہستہ کہ یہ دربار نبی ﷺ ہے
خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

۱۴۔ مفسر قرآن و مفکر قرآن الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان اپنی بیانیہ تفسیر"اکرم التفاسیر"میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں۔"مسجد نبوی ﷺ کی توسیع ہو رہی تھی بہت بھاری مشینری کام کر رہی تھیں، پورا مدینہ منورہ مشینری اور تعمیر کے شور سے گونج رہا تھا لیکن جیسے ہی مسجد نبوی ﷺ کے دروازے پر جاتا تو اندر قدم رکھتے ہی بھول جاتا کہ باہر کوئی شور بھی ہے۔اللہ گواہ ہے میں منبر پر بیٹھا ہوں اور قرآن حکیم میرے سامنے کھلا ہے یہ خیال ہی نہیں آتا تھا کہ کہیں شور بھی ہے۔یہ اللہ رب العالمین کا اپنا نظام ہے یہ ادب ہے بارگاہ نبوی ﷺ کا، کہ شور کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔(اکرم التفاسیر جلد4 ص،(53)

۱۵۔ حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے دُعا کرے اور شفاعت چاہے اور یہ الفاظ کہے۔''اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ ﷺ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ سے یہ مانگتا ہوں کہ میری موت آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی سنت پر ہو'۔ اسکے ساتھ کلمہ شہادت بھی پڑھے اور پڑھنے کے بعد یہ کہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ! میں نے آپ ﷺ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا ہے۔آپ ﷺ قیامت کے دن میرے ایمان کی گواہی عطا فرما دیجیے گا۔

عمل کی میرے اساس کیا ہے بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت میرا تو اک آسرا یہی ہے

ہمارے ذمے صرف اتنا ہے کہ جو حضور اکرم ﷺ نے سکھایا اس پر عمل کریں۔جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں جہاں سے روک دیا وہاں سے رُک جائیں اور عاجزی اور نیاز مندی سے یہ عرض کریں کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم پر خفا نہ ہوں، نالائق ہیں، کمزور ہیں، خطا کار ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کریں لیکن ہم سے ہو نہیں پاتا، لہٰذا امیدوار کرم ہیں۔

۱۶۔ روضۂ شریف ﷺ کی طرف بلاضرورت شدیدہ پشت نہ کرے۔اس بارگاہ کا جتنا ادب کر سکے اتنا ہی کم ہے۔

۱۷۔ نہایت افسوس ہوتا ہے کہ آج کل بعض حاجیوں کو دیکھا گیا ہے کہ نماز باجماعت ہو یا انفرادی فرض یا نوافل، نماز حجرہ شریف کو سامنے رکھ کر پڑھتے ہیں اس غرض سے کہ قبر مطہرہ سامنے رہے یہ بالکل ممنوع ہے۔) زبدۃ المناسک ص،(476)

۱۸۔ ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات کو موضوع بحث نہ بنایا جائے۔یہ بحث کرنا کہ حضور اکرم ﷺ میں یہ کمال تھا اور معاذ اللہ یہ نہیں تھا کسی کو زیب نہیں دیتا۔اکرم التفاسیر جلد6 ص(165)

ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی وصف کسی کو کوئی وصف عطا فرمایا۔مگر تمام اوصاف جو مخلوق حاصل کر سکتی تھی۔بیک وقت صرف آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

۱۹۔ زیارت کے وقت روضۂ مبارک کی جالیوں، دیواروں کو چھونا، بوسہ دینا، ہاتھ لگانا خلاف ادب ہے۔ اس سے بچیں اور روضۂ اقدس ﷺ سے چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہوں۔ ہمارے ہاتھ اس قابل ہی نہیں کہ جالی مبارک کو چھو سکیں۔

روشنی بٹتی ہے اس درگاہ پر
ہے اطاعت شرط پانے کے لیے

۲۰۔ اہل مدینہ سے خاص محبت سے پیش آئے، اور اگر ان میں کوئی کمی نظر آ جائے تو فوراً ان کی کمی سے نظر ہٹا کر اپنے عیب پر نظر ڈالے، اور ان پر کسی قسم کا اعتراض اور نکتہ چینی نہ کرے، اور اچھی طرح اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ لوگ حضرت نبی کریم ﷺ کے شہر کے رہنے والے ہیں۔ ان کی نسبت بہت اونچی ہے (40 آداب حج وعمرہ صفحہ 72)

"اے طیبہ کے رہنے والو تم سب کے سب میرے دل کو محبوب ﷺ کی وجہ سے محبوب ہو"۔

۲۱۔ سیدنا انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "(مدینہ یہاں) جبل عیر (سے وہاں) ثور تک حرم ہے یہاں کا درخت نہ کاٹا جائے اور نہ یہاں کسی ظلم و بدعت کا ارتکاب کیا جائے۔ جو شخص یہاں ظلم و بدعت کی کوئی بات ایجاد کرے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہو" (صحیح بخاری، فضائل مدینہ)

۲۲۔ کوئی ایسا کام نہ کریں جس کی وجہ سے انتظامیہ کو یا لوگوں کو پریشانی اٹھانی پڑے۔

۲۳۔ مواجہہ شریف کے راستے میں زیادہ دیر کھڑے نہ ہوں۔ حاضرین کی راحت کا خیال رکھیں کسی کو دھکا نہ لگے، کسی کو بھی اذیت نہ پہنچے، یہ بہت ادب کا مقام ہے۔

۲۴۔ روزانہ پانچوں وقت یا جس وقت موقع ہو روضۂ اقدس ﷺ پر حاضر ہو کر سلام پڑھنا جائز ہے اور جب بھی روضہ مبارک کے برابر سے گزرے تو حسب موقع تھوڑا بہت ٹھہر کر سلام پڑھے اگرچہ مسجد سے باہر ہی ہو۔ نیز دور سے سلام پڑھنا اور بات ہے اور مواجہہ مبارک کے سامنے جا کر زیارت کرنا اور چیز ہے۔

۲۵۔ مسجد میں تھوکنا، ناک صاف کرنا جائز نہیں اور نہ مسجد میں دوڑے۔ خصوصاً ریاض الجنۃ میں جگہ پانے کے لیے لوگ بھاگتے ہیں ایسا نہ کریں۔

۲۶۔ ہاتھوں میں جوتے مت پکڑیں بارگاہ عالی کا خیال کریں۔

۲۷۔ نظریں نیچی رکھیں اور اِدھر اُدھر نہ دیکھیں۔ یعنی وہاں کی زیب و زینت مثلاً فرش، فانوس، قالین وغیرہ میں نہ لگ جائے۔

۲۸۔ موبائل فون کا استعمال نہ کریں یہ ادب کے خلاف ہے۔ ایسا ہرگز ہرگز نہ کریں۔

۲۹۔ نبی کریم ﷺ کو سلام پیش کرنے کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی خدمت میں بھی سلام پیش کرے۔ یہ وہ ہستی ہے جس کی تدفین کے لیے روضۂ اقدس ﷺ کے پٹ وا ہوئے۔ پھر سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھی سلام پیش کرے یہ وہ ہستی ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے اللہ سے مانگا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔

۳۰۔ یاد رکھیں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے لہذا کہیں کوئی خلافِ سنت کام مت کریں۔

۳۱۔ جب ارادہ وطن کی طرف واپسی کا ہو تو بارگاہ رسالت ﷺ میں سلام پڑھے اور پھر دین و دنیا کی حاجت کیلئے اور حج و زیارت کے قبول ہونے اور گھر عافیت کے ساتھ پہنچنے کی دعا مانگے اور کہے اے اللہ اس زیارت کو آخری نہ کر بلکہ میرے لئے دوبارہ آنا اور ٹھہرنا آسان فرما، اور جو کچھ میسر ہو فقراء مدینہ منورہ پر صدقہ کرے۔ (معلم الحجاج)

زندہ ہی چلے آئے درِ یار ﷺ سے کیفی
اک فرضِ محبت بھی ادا کر نہ سکے ہم

آج بھی ہمارے دکھوں کی دوا، آج بھی ہماری عزت کا سبب آج بھی ہماری سلامتی کا سبب محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں ہے۔

تیرے راستوں میں حیات ہے ترے واسطوں میں حیات ہے
ترا لفظ لفظ ہے زندگی ہر بات حیات آفریں

کبھی خود حیات سے دور تھے دلِ چشم سب بے نور تھے
ترے در پر جو بھی آ گئے وہی ذات حیات آفریں

تکبر اور عجب کے علاج کے بیان میں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کیمیائے سعادت" سے انتخاب

ترجمہ: مولانا فخر الدین احمد صدیقی

دوسری طرح یہ ہے کہ یہ سمجھ لے کہ کبر حق سبحانہ تعالیٰ ہی کو سزا وار ہے اور جو کوئی اس امر میں اس سے جھگڑتا ہے اسے خدا دشمن رکھتا ہے اور حق تعالیٰ نے ہر ایک کو فرمایا ہے کہ میرے نزدیک تیری قدر اس وقت ہوگی جب تو خود کو کچھ نہ سمجھے اگر بالفرض آدمی یہ بھی جان لے کہ میری عاقبت بخیر ہوگی تو بھی حق تعالیٰ کا فرمانا یاد رکھ کہ تکبر نہ کرے اسی سبب سے انبیاء علیہم السلام متواضع ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حق تعالیٰ تکبر کو دشمن رکھتا ہے اور عابد کو چاہیے کہ عالم

بے عبادت پر تکبر نہ کرے اور کہے کہ شاید علم اس کا شفیع ہو اور اس کی برائیوں کو محو کر دے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھے کسی اپنے صحابی پر اور اگر کوئی عابد کسی جاہل کو دیکھے اور اس کا حال پوشیدہ ہو تو اپنے جی میں کہے کہ شاید جاہل مجھ سے زیادہ عابد، اور خود کو مشہور نہ کیا ہو اور اگر فاسق ہو تو اپنے جی میں یہ کہنا چاہیے کہ سب وسواس اور خطرے ایسے گناہ ہیں جو دل ہی میں ہوتے ہیں اور فسق ظاہری سے بدتر ہیں اور ممکن ہے کہ میرے باطن میں ایسا کوئی گناہ ہو جس سے میں غافل ہوں اور میرے ظاہری عمل اس سے سبت ہو جائیں اور اس کے باطن میں کوئی خلق نیک ایسا ہو جو اس کے ظاہری گناہوں کا کفارہ ہو جائے بلکہ شاید وہ توبہ کر لے اور خاتمہ بخیر اسے نصیب ہو اور مجھ سے ایسا کوئی گناہ سرزد ہو جس کے سبب سے موت کے وقت ایمان خطرے میں پڑ جائے غرضیکہ جب یہ امر ممکن ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام اشقیا میں لکھا ہے تو تکبر کرنا نادانی ہے اسی سبب سے بڑے بڑے عالم اور مشائخ ہمیشہ متواضع رہے ہیں۔

عجب اور اس کی آفت کا بیان

اے عزیز! جان تو کہ خود پسندی برے اخلاق میں سے ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں مہلک ہیں بخل، حرص، خود پسندی اور فرمایا ہے۔ کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو بھی مجھے تم سے ایسی ایک چیز کا خوف ہے کہ وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لوگوں نے پوچھا آدمی بدکار کب ہوتا ہے فرمایا کہ جب خود کو نیکوکار جانے اور یہ جاننا خود پسندی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ تباہی اور ہلاکت دو چیزوں میں ہے خود پسندی اور ناامیدی میں۔ اسی سبب سے بزرگوں نے کہا کہ ناامیدی طلب میں سست ہونا اور معجب جانتا ہے کہ میں طلب سے بے نیاز ہوں ۔حضرت مطرف رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر میں تمام رات سوؤں اور صبح کو ڈرتا ہوا اور شکستہ دل اٹھوں تو اس امر کو میں اس بات سے زیادہ دوست رکھتا ہوں کہ رات بھر نماز پڑھوں اور صبح کو اس پر خود پسندی کروں۔ حضرت بشیر ابن منصور رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن بڑی لمبی نماز پڑھتے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ان کی عبادت میں متعجب ہے جب سلام پھیرا! تو کہا کہ اے جوان تعجب نہ کر کیونکہ ابلیس نے مدتوں عبادت کی اور اس کا خاتمہ تو جانتا ہے کہ کیسا ہوا۔

اے عزیز! جان تو کہ خود پسندی سے بہت آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان سے تکبر ہے کہ خود کو دوسروں سے بہتر جانے۔ دوسری آفت یہ ہے کہ خود اپنے گناہ یاد نہیں کرتا اور تدارک میں مشغول نہیں ہوتا اور جانتا ہے کہ میں بخشا ہوا ہوں عبادت میں شکر گزار نہیں ہوتا اور جانتا ہے کہ شکر گزاری سے بے نیاز ہوں اور عبادت کی آفتیں نہیں جانتا اور نہیں تحقیق کرتا اور جانتا ہے کہ وہ خود بے آفت ہے اور اس کے دل سے خوف وہراس جاتا رہتا ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ کے مکر سے نڈر رہتا ہے اور عبادت کے سبب سے حق سبحانہ تعالیٰ پر اپنا حق جانتا ہے کہ عبادت اس پر

خودنعمت الٰہی ہے اور اپنی تعریف کرتا ہے، خود کو پاک جانتا ہے اور جب اپنے علم میں خود پسند ہوتا ہے تو کسی سے کچھ پوچھتا نہیں اور اگر اس سے اس کے خلاف رائے کوئی بات کہیں تو سنتا ہی نہیں اور ناقص رہتا ہے اور کسی کی نصیحت نہیں سنتا ہے۔

عجب اور ادلال کی حقیقت کا بیان

اے عزیز! جان تو کہ حق تعالیٰ نے جس کو کوئی نعمت عطا فرمائی جیسے علم اور توفیق عبادت وغیرہ اور اس کے زائل ہوجانے سے ہراساں رہتا ہے اور ڈرا کرتا ہے کہ مبادا اس سے پھیر لیں وہ خود پسند نہیں ہے۔ اور اگر ڈرتا نہ رہے اور اس نعمت کے سبب سے بدین وجہ خوش رہے کہ حق تعالیٰ کی عطا اور نعمت ہے اس وجہ سے نہیں کہ اس شخص کی صفت ہے تو بھی خود پسند نہ ہوگا۔ اور اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ میری صفت ہے اور اس امر سے غافل ہو کہ وہ خدا کی نعمت ہے اور اس کے ہراس سے خالی ہو تو اس صفت سے یہ خوشی خود پسندی ہے اور اگر ساتھ اس کے حق تعالیٰ کے نزدیک اپنا کچھ حق جانے اور اس عبادت کو اپنے واسطے خدمت پسندیدہ جانے تو اسے ادلال یعنی ناز کرنا اور اترانا کہتے ہیں کیونکہ خود جانتا ہے اور جب کسی کو کوئی چیز دے اور اپنے دل میں سمجھے کہ میں نے بڑا کام کیا تو خود پسند ہے اور اگر اس کے عوض میں کسی خدمت اور مکافات کی امید رکھتا ہے تو اسے ناز کہتے ہیں۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کے سبب سے ناز کرتا ہے اس کی نماز اس کے سر سے تجاوز نہیں کرتی اور فرمایا ہے کہ اگر تو ہنسے گا اور اپنی تقصیر کا مقر رہے گا تو اس سے بہتر یہ ہے کہ روئے اور اسے برا کام جانے۔

عجب کے علاج کا بیان

اے عزیز! جان تو عجب بیماری ہے جہل محض اس کا سبب ہے تو معرفت محض اس کا علاج ہے پس جو شخص رات دن علم اور عبادت میں مشغول رہتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ بھلا تیرا یہ عجب اس سبب سے ہے کہ عمل کیا تیری قوت اور قدرت کے بغیر تجھ پر گزرتا ہے یعنی تجھ سے ظاہر ہوتا ہے اور تو راہ گزر یعنی اس کا مظہر ہے یا اس سبب سے یہ عجب ہے کہ یہ امر تیری ذات سے پیدا ہوتا ہے اور اگر کہے کہ یہ عمل میں کرتا ہوں اور میری قوت و قدرت سے ہے تو ہم کہیں گے کہ تو کچھ جانتا ہے کہ جس قوت اور قدرت اور اعضاء اور ارادت سے یہ عمل کرتا ہے اسے کہاں سے لایا ہے اگر کہے کہ میری خواہش سے یہ عمل ہوتا ہے تو ہم پوچھیں گے کہ بھلا اس خواہش اور اس داعیہ کو کس نے پیدا کیا اور کس نے تیرے اوپر مسلط کر دیا کہ اس نے قہر اور زبردستی کی زنجیر تیری گردن میں ڈال کر تجھے کام میں رکھا کیونکہ جس پر خواہش اور داعیہ کو مسلط کیا تو اس کے اوپر گویا ایسا ایک موکل بھیجا کہ وہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا اور داعیہ اس شخص کے اختیار سے نہیں ہے کیونکہ اسے زبردستی کام میں رکھتا ہے تو سب خدا ہی کی نعمت ہے اور تیری خود پسندی کا سبب جہالت ہے کیونکہ تیری ذات سے کوئی چیز نہیں تو چاہیے کہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے تو تعجب کرے کہ اس نے بہت سے خلق کو غافل کر دیا اور ان کے داعیہ کو برے کاموں میں صرف کیا ور تجھ پر اپنی عنایت کا پہرہ بھیجا اور داعیہ کو تیرے اوپر تعینات کر دیا اور تجھ کو قہر اور زبردستی کی زنجیر میں جکڑ کر اپنی درگاہ میں لئے جاتا ہے اگر کوئی بادشاہ اپنے غلاموں کو دیکھے اور ان میں سے ایک کو خلعت دے بلا کسی سبب اور خدمت کے کہ اس نے پہلے سے کی ہو تو اس غلام کو بادشاہ کی عنایت کے سبب سے متعجب ہونا چاہیے کیونکہ بادشاہ نے بے استحقاق کے خود بخود اسے خلعت خاص سے سرفراز کیا۔ پس اگر وہ غلام کہے کہ بادشاہ حکیم ہے جب تک مجھ میں استحقاق کی صفت نہیں دیکھ لی خلعت خاص نہیں عنایت کی تو جواب دیں گے کہ بھلا یہ استحقاق کی صفت تو کہاں سے لایا اگر یہ صفت بھی بادشاہ کی عطا کی ہوئی ہے تو تجھے خود پسندی کا کچھ محل نہیں ہے۔ اس کی مثل ایسی ہے کہ بادشاہ اگر تجھے گھوڑا عنایت کرے تو تو تعجب نہ کرے اور اگر بادشاہ تجھے غلام عطا فرمائے تو تو تعجب کرے اور کہے کہ بادشاہ نے مجھے غلام اس لیے عنایت فرمایا کہ میرے پاس گھوڑا تھا اوروں کے پاس نہ تھا پس چونکہ گھوڑا بھی اس نے دیا ہے تو تجھے کچھ عجب کا محل نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے دونوں چیزیں تجھے ایک ہی بار مرحمت کرتا۔ اسی طرح اگر تو کہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے عبادت کی توفیق اس سبب سے دی کہ میں اسے دوست رکھتا ہوں تو جواب دیں گے کہ بھلا

یہ دوستی تیرے دل میں کس نے ڈالی ہے اگر تو کہے میں نے اس سبب سے دوست رکھا کہ اسے پہچانا اور اس کا جمال لازوال دیکھا تو جواب دیں گے کہ بھلا یہ پہچان اور یہ دیدار تجھے کس نے دیا پس چونکہ سب چیزیں اسی کی طرف سے ہیں تو اسی کے جود و فضل کے سبب سے عجب ہونا چاہیے جس نے تجھے پیدا کیا در تجھ میں یہ صفتیں پیدا کیں اور قدرت اور ارادہ پیدا کیا! اور تو درمیانی تو خود کچھ ہے ہی نہیں اور نہ کوئی چیز تیرے سبب سے ہے مگر اتنی بات ہے کہ قدرت حق کا رہ گزر اور مظہر ہے شعر

وہم میں اپنے تھے بہت کچھ لیک
خوب دیکھا تو کچھ نہیں ہیں ہم

سوال: اگر کوئی شخص کہے کہ جب میں کچھ کرتا ہی نہیں اور سب خدا ہی کرتا ہے تو ثواب کی امید کہاں سے رکھی جائے اور بے شک ہمیں ثواب اپنے ہی عمل پر ہے جو ہمارے اختیار سے ہے۔

جواب: حقیقی اور واقعی اور صحیح تو یہ ہے کہ تو قدرت الٰہی کا فقط مظہر اور رہگزر ہے بس اور اپنی ذات سے تو کچھ ہے ہی نہیں وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ محمد ﷺ جو کچھ تم نے کیا وہ تم نے نہیں کیا بلکہ خدا ہی نے کیا لیکن اے عزیز چونکہ علم اور قدرت اور ارادہ کے بعد حق تعالیٰ نے حرکت کو پیدا کیا تو تو جانتا ہے کہ جو کچھ کیا وہ میں ہی نے کیا۔ اے عزیز یہ بھید نہایت ہی پوشیدہ ہے اور یہ بات بہت ہی باریک ہے تو اسے نہ سمجھ سکے گا۔ انشاء اللہ العزیز توکل اور توحید کے بیان میں اس کا کچھ اشارہ کیا جائے گا مگر یہاں اپنی فہم کے موافق کچھ سمجھ لے اور یہ فرض کر لے کہ عمل تیری ہی قدرت سے ہے لیکن تیرا عمل بے قدرت اور ارادہ اور علم کے ممکن نہیں۔ تو تیرے عمل کی کنجی بھی تین صفتیں ہیں اور یہ تینوں صفتیں خدا کی عطا فرمائی ہوئی پس اگر خزانہ خوب محکم ہو اور اس میں بہت سی نعمتیں اور دولتیں ہوں اور تو انھیں لینے سے عاجز ہو اس کی کنجی تیرے پاس نہ ہو اور خزانچی تجھے کنجی دے دے اور تو اس خزانہ پر ہاتھ مارے اور دولت لے تو اس دولت کو اس کے حوالے کرے گا جس نے وہ کنجی تجھے دی یا اپنے ہاتھ کی طرف کہ تو نے ہاتھ سے دولت اٹھائی ہے اور تو جانتا ہے کہ جب اس نے تجھے کنجی دے دی تو دولت کا اٹھا لینا بے قدر فعل ہے۔ قدر اسی بات کو ہے کہ اس نے تجھے کنجی دے دی تو دولت اسی کی طرف سے ہوگی پس تیری قدرت جو اعمال کی کنجی ہے اس کے سب اسباب خدا ہی کے عنایت فرمائے ہوئے ہیں تو اس کے فعل سے تعجب کر کہ اس نے عبادت کی کنجی تجھے دے دی اور سب فاسقوں کو محروم رکھا اور گناہوں کی کنجی اوروں کو دے کر عبادت کے خزانہ کو ان کے واسطے بند رکھا ان کے کسی قصور کے سبب سے نہیں بند رکھا بلکہ بمقتضائے عقل بند رکھا اور تجھ کو کسی خدمت کے وجہ سے کنجی نہیں دے دی بلکہ محض اپنے فعل سے دی تو جس نے توحید کو حقیقتاً پہچانا اسے ہرگز عجب نہیں ہوتا اور عجب یہ ہے کہ مفلس عاقل اس بات سے تعجب کرے کہ حق تعالیٰ جاہل کو مال عنایت فرماتا ہے اور مجھ عقل مند کو محروم رکھا۔ اس قدر نہیں جانتا کہ عقل سب نعمتوں سے بہتر ہے اور یہ بھی خدا نے دی ہے اگر عقل و مال دونوں اسی کو عنایت فرماتا اور جاہل کو دونوں سے دور رکھتا تو یہ عدل سے بعید ہوتا اور اگر اس عاقل سے جو شکایت کرتا ہے لوگ کہیں کہ اپنی عقل کو اس کے مال سے بدل لے تو کبھی نہ بدلے گا اور جو خوبصورت عورت محتاج ہو وہ بدصورت کو زیور اور لباس فاخرہ پہنے ہوئے بڑے ٹھاٹھ سے دیکھ کر کہے یاالٰہی یہ کیا حکمت ہے کہ ایک بدصورت کو تو نے نعمت اور دولت عطا فرمائی کہ اسے زیب نہیں دیتی تو اس قدر نہیں سمجھتی کہ دولت حسن مجھے عنایت فرمائی وہ اس زر و زیور سے بہتر ہے اگر دونوں نعمتیں اس کو مرحمت ہوتیں تو عدل سے بعید ہوتا۔ اس کی مثل ایسی ہے جیسے بادشاہ ایک شخص کو گھوڑا عطا فرمائے اور ایک کو غلام۔ مصاحب اس پر تعجب کر کے کہے کہ گھوڑا میرے پاس ہے بادشاہ نے غلام اسے کیوں دیا؟ یہ کہنا نادانی سے ہوتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام نے عرض کیا۔ بار خدایا کوئی رات ایسی نہیں آتی کہ میری اولاد میں سے ایک نہ ایک صبح تک نماز نہ پڑھتا ہو اور کوئی دن ایسا نہیں آتا کہ ایک نہ ایک روزہ نہ رکھے۔ وحی آئی کہ اے داؤد اگر میں توفیق نہ دیتا تو انھیں یہ بات کہاں حاصل ہوتی اب لحظہ بھر میں تجھے تیری رائے پر چھوڑتا ہوں۔ جب حق تعالیٰ نے انھیں ان کی رائے پر چھوڑ دیا تو ان سے ایسی چوک ہوگئی کہ

اس کی حسرت اور ندامت میں رہے حضرت ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ نے عرض کی کہ بار خدایا! تو نے یہ سب بلا مجھ پر ڈالی اور میں نے ذرہ بھی اپنی خواہش تیری برحق اور مراد پر اختیار نہ کی، تیری رضا پر راضی رہا، ذرا بھی بے صبری نہیں کی۔ پس ایک ٹکڑا ابر کا دیکھا اس سے دس ہزار آوازوں کے ساتھ ندا سنی کہ اے ایوب وہ تیرا صبر کہاں سے آیا تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام متنبہ ہوئے اور تھوڑی سی خاک سر پر ڈال کر التجا کرنے لگے اور عرض کرنے لگے کہ بار خدایا وہ صبر تیرے ہی فضل وکرم سے تھا میں نے توبہ کی اور حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنْ کُمْ مِنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ یعنی اگر میرا فضل نہ ہوتا تو کوئی شخص اپنی پاکی کی طرف راہ نہ پاتا تو اور کام کا کیا ذکر اور حضرت سلطان الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء نے اسی سبب سے ارشاد کیا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب سے نجات نہ پائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ کیا آپ بھی نہ پائیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں بھی نہ پاؤں گا مگر خدا کی رحمت سے۔ اور اسی سبب سے تھا کہ بڑے بڑے صحابیؓ کہا کرتے تھے کاش ہم خاک ہوتے یا ہوتے ہی نہ تو جو کوئی یہ امر جانتا ہے وہ خوف کے مارے غرور اور خود پسندی نہیں کرتا۔

فصل: اے عزیز! جان تو کہ بعضے آدمی ایسی نادان ہوتے ہیں کہ ایسی چیز کے سبب سے خود پسندی کرتے ہیں جو ان کے سبب سے نہیں ہوتی اور ان کی قدرت سے کچھ علاقہ بھی نہیں رکھتی جیسے طاقت اور حسن و جمال اور نسب اور یہ خود پسندی بالکل نادانی ہے۔ اس واسطے کہ اگر عالم اور عابد کہے کہ میں نے علم حاصل کیا اور میں نے عبادت کی تو اس کے خیال کا ایک محل ہے لیکن یہ تو محض حماقت ہی حماقت ہے اور کوئی شخص ظاہر میں اور بادشاہوں کے نسب کے سبب سے غرور اور ناز کرتا ہے اگر ان ظالموں اور بادشاہوں کو دیکھتا کہ کس حالت اور صفت پر دوزخ میں رہتے ہیں اور قیامت کے دن ان کے دشمن ان پر کیا استخفاف کریں گے اور کیسا کیسا ہنسیں گے تو ان سے ننگ و عار رکھتے بلکہ جناب سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے نسب سے کوئی نسب شریف نہیں ہے اس پر بھی غرہ کرنا بے جا ہے اور بعضے آدمیوں کو اس درجہ غرور ہوتا ہے کہ جانتے ہیں کہ ہمارے حق میں گناہ خود نقصان ہی نہ کرے گا ان کو جو جی چاہتا ہے کرتے ہیں اتنا نہیں جانتے کہ جب اپنے باپ دادا کے خلاف کرتے ہیں تو انکے ساتھ نسب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ان کے باپ دادا پرہیزگاری اور فروتنی ہی میں شرف اور عزت سمجھتے تھے نسب میں نہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ ان کے اجداد میں ایسے لوگ تھے جو دوزخی ہیں۔ رسول مقبول ﷺ نے نسب کے سبب سے فخر کرنے کو منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدمؑ خاک سے بنے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اذان دیتے تو بزرگان قریش کہتے کہ اس حبشی غلام کو یہ عہدہ سپرد ہونے کا کیا محل ہے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اور جب یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ تو رسول مقبول ﷺ نے جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے محمدؐ کی بیٹی اپنی تدبیر کر کہ فردائے قیامت کو مجھ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے محمد ﷺ کی پھوپھی اپنے کام میں مشغول ہو کہ میں تیرا دستگیر نہ ہوں گا۔ اگر آپ کے عزیزوں کو آپ کی قرابت کفایت کرتی تو چاہیے تھا کہ جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پرہیزگاری کے رنج و تکلیف سے چھڑا دیتے تا کہ خوشی سے زندگی بسر کرتیں اور دونوں جہاں انھیں حاصل ہوتے۔ بہرحال قرابت والوں کو شفاعت کی امید زیادہ ہے لیکن شاید گناہ ایسے ہوں کہ شفاعت کے لائق نہ ہوں جیسا حق سبحانہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی اور شفاعت کی امید پر کھل کھیلنا اور من مانے کام کرنا ایسا ہے جیسے کوئی بیمار اس بھروسے پر بھول کر پرہیز نہ کرے اور سب چیزیں کھانے لگے کہ میرا باپ طبیب کامل ہے۔ اس بیمار سے کہنا چاہیے کہ بعض بیماری ایسی ہوتی ہے کہ علاج پذیر نہیں ہوتی اور طبیب کا کمال اور استادی کچھ مفید نہیں ہوتی۔ مزاج ہی

باقی صفحہ نمبر 48 پر

مساعیٔ جمیلہ

قومی یکجہتی وقت کی اہم ضرورت

چکوال میں سیمینار

ملک محمد ادریس کھوکھر

14 اگست 2015 یوم آزادیٔ پاکستان پورے ملک میں جس جوش وجذبے اور باوقار طریقے سے منایا گیا۔اہالیانِ چکوال نے بھی اسی بھرپور انداز میں اپنے جذبوں اورامنگوں کو بیس کروڑ پاکستانیوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔ضلع چکوال میں اس سلسلے کی سب سے بڑی اور پروقار تقریب پریس کلب چکوال میں منعقد کی گئی۔جس کے مہتمم ممتاز صحافی خواجہ بابر سلیم اور دیگر مقامی صحافی حضرات معاون تھے جبکہ انتظامی اور مہمانداری کے معاملات تنظیم الاخوان چکوال کے سپرد کئے گئے جسے محدود تنظیمی ڈھانچے کے ساتھ احسن طریقے سے نبھایا گیا۔حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی کی خصوصی نگاہ ساتھیوں کے شامل حال تھی جبکہ راولپنڈی ڈویژن کے سربراہ میجر (ر) غلام قادری صاحب اور امجد اعوان صاحب کی مکمل راہنمائی نے اس پروگرام کو خیروعافیت سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

یومِ آزادیٔ پاکستان کی مناسبت سے منعقدہ اس سیمینار کا موضوع "قومی یکجہتی وقت کی اہم ضرورت" تھا۔جس کے صدر مجلس، عزت مآب صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان صاحب، ناظمِ اعلیٰ، سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ، پاکستان تھے جبکہ بطور مہمانِ خصوصی محترم ملک تنویر اسلم سیتھی صاحب وزیر برائے ہاؤسنگ وتعمیرات پنجاب کو مدعو کیا گیا جو علاقے کی ہردلعزیز سیاسی شخصیت ہیں۔

چکوال شہر کی مین شاہراہ کو الاخوان کے مہر نبوت والے اور پاکستان کے سبز ہلالی پرچموں سے سجایا گیا۔ایک عجیب سی طمانیت اور خوشی ہر چہرے سے عیاں تھی۔پریس کلب کو بھی ساتھیوں نے خوبصورت اور پروقار طریقے سے آراستہ کیا۔مہمانانِ گرامی محترم صاحبزادہ ملک عبدالقدیر اعوان صاحب اور ملک تنویر اسلم سیتھی صاحب پروگرام کے عین مطابق بروقت بذریعہ موٹروے چکوال پہنچ گئے۔الاخوان کے مقامی عہدیداروں اور دیگر عوام نے اُڈھروال چوک پر شاندار استقبال کیا اور پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔الاخوان اور قومی پرچموں کے جلو میں ایک موٹر سائیکل ریلی کی صورت میں تقریب کے مقام تک لایا گیا جہاں ہال میں موجود کثیر تعداد میں افراد نے والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا۔پھولوں کی پتیاں اور گلدستے پیش کئے گئے۔نعرۂ تکبیر اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔

اس سادہ اور پروقار تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلامِ پاک سے کیا گیا۔ایک خوش الحان نعت خوان نے حضرت شیخ المکرم مدظلہ کا نعتیہ کلام پیش کیا۔خواجہ بابر سلیم اور دیگر مقررین نے اس تقریب سے خطاب کیا اور اہالیان چکوال کے قومی جذبے کو سلام پیش کیا۔خواجہ بابر سلیم صاحب نے الاخوان اور دارالعرفان منارہ میں حضرت امیر ملک محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سرپرستی میں قائم اس مرکز رشد وہدایت کو عظیم روحانی اور اصلاحی تربیت گاہ قرار دیا۔

بعد ازاں اس قومی سیمینار کے روح رواں محترم ملک عبدالقدیر اعوان صاحب کو سٹیج سیکرٹری نے دعوتِ خطاب دی۔آپ نے پاکستان کی بقا اور قومی یکجہتی کے حوالے سے پُراثر اور فکر انگیز گفتگو کی۔اتحاد و یگانگت اور بھائی چارہ قائم کرنے کی تلقین کی ضرورت پرزور دیا۔نظامِ تعلیم کی اصلاح، ایوان سلطنت میں انگریزی زبان کی جگہ اردو

جو کہ قومی زبان ہے کو اختیار کرنے کی تلقین کی جبکہ قانون کا احترام عوام سے کرانے کے ساتھ حکمرانوں کو خود بھی قانون کی پابندی کرنے پر زور دیا۔ سیاسی، مذہبی، جماعتوں کی قیادت کو آپ نے برداشت، رواداری اور امن کی فضا پیدا کرنے کو کہا۔ ہر قسم کی فرقہ واریت، لسانی، علاقائی اور معاشرتی تعصبات سے اجتناب برتنے کی ہدایت کی جو کہ قومی یکجہتی کے لئے زہر قاتل ہیں۔ آپ نے آخر میں ضربِ عضب کے شہداء، غازیوں اور پاک فوج کو سلام پیش کیا جن کی قربانیوں نے پاک وطن کو دہشتگردی کے عفریت سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اس قومی تقریب کے مہمانِ خصوصی ملک تنویر اسلم سیتھی صاحب نے بھی قومی یکجہتی کے حوالہ سے مؤثر خطاب کیا۔ موجودہ ملکی صورت حال میں پوری قوم کے اندر امن، بھائی چارہ کے فروغ کے لئے کی جانے والی کوششوں کو سراہا۔

تقریب کے اختتام پر مہمانوں اور ہال میں موجود افراد کی ضیافت کا اہتمام تنظیم الاخوان کی طرف سے کیا گیا۔ اس طرح بڑی خوش اسلوبی اور منظم طریقے سے اس تقریب کا اختتام ہوا۔ جس کے فوراً بعد صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان صاحب نمازِ جمعہ کی ادائیگی اور خطبہ کے لئے مسجد نقشبندیہ اویسیہ چکوال تشریف لے گئے۔ جہاں ایک اجتماع سے آپ نے سادہ اور پر اثر انداز میں خطبہ دیا۔ قلیل وقت میں رجوع الی اللہ اور اطاعتِ نبی کریم ﷺ کی طرف راہنمائی کے لئے غور وفکر کے کئی در کھولے جس کے لئے فرد کی اصلاح اور کردار سازی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی و کردار کو نبی کریم ﷺ سے محبت، اطاعت اور لوگوں کو بھی اسی طریقے پر عمل کرنے سے فلاح دارین کی ضمانت قرار دیا۔

نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے ساتھ یوم آزادیٔ پاکستان کے لئے منعقدہ پروگرام کا وطن عزیز کی سلامتی اور ملتِ پاکستان کی خیر وعافیت، اتحاد و یگانگت کی دعاؤں کے ساتھ اختتام ہوگیا۔

ارشادِ نبوی ﷺ: کثرت سے حج اور عمرہ کرنے والا غریب اور محتاج نہ رہے گا۔
ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں

احباب سلسلہ کیلئے اسپیشل ڈسکاؤنٹ اور بہترین سروس کیساتھ۔

مارچ 2016 میں ساتھیوں کا گروپ بھی روانہ کیا جائے گا۔ اُس کے لئے بھی بکنگ جاری ہے۔ خواہش مند حضرات رابطہ کریں

سستے ترین عمرہ پیکیج

اکانومی
بجٹ　اکانومی پلس　سٹارز ہوٹلز
پیکیجز دستیاب ہیں

اور تمام ائرلائنز کی ٹکٹیں ایڈوانس بکنگ کیساتھ فوری دستیاب ہیں
نیز سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کے
ورک ویزوں کے پراسس کیلئے ہماری خدمات حاصل کریں۔

العروج انٹرنیشنل ٹریولز

GOVT LIC 2223 , IATA PIA & PSA
اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز لائسنس نمبر LHR-1559

اکال والا روڈ عبداللہ چوک ٹوبہ ٹیک سنگھ
PH: 0334-6289958
0311-6289958
0336-2030319
046-2511559
046-2512559

Email:alarooj@hotmail.com

خواتین کا صفحہ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمِ فاران راولپنڈی

نام ونسب: آپؓ کا نام فاطمہؓ ہے اور آپؓ کا نسب نامہ اس طرح ہے فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب بن ثعلبہ بن وائلہ۔۔۔بن فہر

والدہ کا نام: امیمہ بنت ربیعہ ہے۔ آپؓ کی والدہ کا تعلق بنی کنانہ سے تھا

نکاح: ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

قبول اسلام: دعوت حق کے ابتدائی دور میں ہی قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا۔

ہجرت: ہجرت کے دور اول میں دیگر خواتین کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

عام حالات: 10ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ ایک لشکر لے کر یمن گئے انہیں اس کا حکم خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس لشکر میں حضرت فاطمہؓ کے شوہر ابوعمرو بن حفص بھی شامل تھے۔

طلاق اور عورت کا واقعہ: اس واقعہ نے تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابوعمر بن حفص لشکر یمن کے ساتھ روانگی سے قبل تھوڑا عرصہ پہلے حضرت فاطمہؓ کو دو طلاقیں دے چکے تھے۔ آخری طلاق انہوں نے حضرت عیاشؓ بن ربیعہ کے ذریعے عین روانگی کے وقت دی اور نفقہ 5 صاع جو اور 5 صاع خرمے بھیجے۔ حضرت فاطمہؓ نے حضرت عیاشؓ سے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو انہوں نے جواباً کہا کہ جو کچھ دیا گیا ہے محض احسان اور ہمدردی کی بنا پر ورنہ ہمارے ذمے یہ بھی ضروری نہیں۔ اس جواب پر حضرت فاطمہؓ کو غصہ آگیا وہ اپنے کپڑے وغیرہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت عالی میں پہنچیں اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا، تم کو ابوعمرو نے کتنی مرتبہ طلاق دی؟ عرض کیا تین مرتبہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اب تمہارا نان ونفقہ ابوعمرؓ پہ واجب نہیں تم اُم شریکؓ کے ہاں عدت کے دن پورے کرو۔

اصول فقہ: جمہور فقہاء کا فیصلہ ہے کہ عدت کے زمانہ میں عورت کا نان نفقہ، طلاق دینے والے مرد کے ذمے ہے اور مسئلہ متفق علیہ ہے چنانچہ اس روایت کی تشریح وتطبیق کے سلسلے میں کتب فقہ میں طویل مباحثہ ملتے ہیں۔ (اس ضمن میں کچھ تفصیل آگے آئے گی)

ابن اُم مکتوم کے ہاں سکونت:

چونکہ اُم شریک کے ہاں ان کے اعزو واقارب کے علاوہ دوسرے مہمان بھی بکثرت آئے تھے اس لیے آپ ﷺ نے اپنے حکم میں ترمیم فرما کر حضرت فاطمہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا زمانہ عدت اپنے ابن عم ابن ام مکتوم کے ہاں گزاریں وہ نابینا تھے اور نہایت شریف النفس بزرگ تھے۔

اسامہ بن زیدؓ سے شادی: جب عدت کا زمانہ گزر گیا تو معاویہؓ بن سفیان، ابوجہمؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت فاطمہؓ کا خیال تھا کہ خود آنحضرت ﷺ ان کو شرف زوجیت بخشیں گے لیکن مصلحت خداوندی اس میں نہ تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے نکاح ثانی کے بارے میں حضور ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ معاویہ بہت مفلس ہے، ابوجہمؓ سخت مزاج ہے، تم اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرلو۔

حضرت فاطمہؓ کو اپنے خیال کے پیش نظر کچھ تامل ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے۔ پس انہوں نے تعمیل ارشاد کی

اور حضرت اسامہؓ کے نکاح میں آ گئیں۔ وہ بہت جلیل القدر صحابیؓ تھے اور حضور ﷺ انہیں اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ انہیں حب النبی ﷺ کے لقب سے شہرت حاصل تھی (یعنی نبی ﷺ کے محبوب)

صحیح مسلم میں خود حضرت فاطمہؓ سے روایت ہے کہ اسامہؓ بن زید کے نکاح میں آنے کے بعد وہ لوگوں کے لیے قابل رشک بن گئیں۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس: 23ھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی۔ تو مجلس شوریٰ کے اجلاس حضرت فاطمہؓ کے مکان میں ہی منعقد ہوتے تھے۔ چونکہ وہ خود بھی نہایت زیرک، معاملہ فہم اور صائب الرائے تھیں اسی لئے مجلس شوریٰ کے اراکین ان سے بھی مشورہ لینا مناسب سمجھتے تھے۔ (اسد الغابہ ج5 ص526)

شوہر کی وفات: 54ھ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ نے وفات پائی۔ اس کا حضرت فاطمہؓ کو سخت صدمہ پہنچا۔ ان کے بعد حضرت فاطمہؓ نے تازندگی دوسرا نکاح نہیں کیا اور آپ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی ضحاکؓ کے پاس رہنے لگیں۔

عراق میں سکونت: یزید بن معاویہؓ نے جب ضحاک بن قیس کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو ان کے پاس قیس کوفہ چلی گئیں اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔

ایک خاص واقعہ: یہ واقعہ بھی عدت سے متعلق ہے۔ وہ یہ کہ مروان بن حکم کے عہد میں حضرت سعیدؓ بن زیدؓ کی صاحبزادی کو ان کے شوہر عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے طلاق دے دی۔ حضرت فاطمہؓ رشتہ میں ان کی خالہ تھیں۔ اس لیے بتقاضائے ہمدردی انہوں نے بھانجی کو کہلا بھیجا کہ تم میرے پاس میرے گھر میں آ جاؤ۔ مروان کو علم ہوا تو اس نے قبیصہ کو کہلا بھیجا کہ ان سے جا کر دریافت کرو وہ ایک مطلقہ خاتون کو اس کے زمانہ عدت میں عدت پوری ہونے سے قبل گھر سے کیوں نکالتی ہیں؟

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا خود رسول ﷺ مجھے ایام عدت میں میرے ابن عم ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزارنے کی اجازت دی تھی اس لیے میں نے بھی اپنی بھانجی کو ایام عدت میں بلا لیا۔

مروان نے ان کی بات کو اہمیت نہ دی اور کہا یہ ایک عورت کی بات تھی اس کا اطلاق سب پر نہیں ہو سکتا اور اس مطلقہ خاتون کو اس گھر میں ہی عدت گزارنے کا حکم دیا۔ (مسلم ج اص 584 مسند ج6 ص415)

دوسری روایت: سید سلمان ندویؒ نے سیرت عائشہ میں بحوالہ بخاری شریف بقصہ فاطمہؓ بنت قیس کے تحت اس واقعہ کے بارے میں یوں لکھا کہ اسلام میں حکم ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دن اپنے شوہر کے گھر پہ گزارے اس حکم کے خلاف عہد نبوی میں صرف ایک شہادت فاطمہ بنت قیس کی ہے جنہیں حضور ﷺ نے خود دوسری جگہ رہنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ اس واقعہ سے استدلال لیتی تھی۔ حضرت عائشہؓ کے عہد میں ایک معزز باپ نے اپنی مطلقہ بیٹی کو شوہر کے یہاں سے بلوایا تو حضرت عائشہ نے اس کی سختی سے مخالفت کی۔ مروان اس زمانہ میں مدینہ کا گورنر تھا۔ حضرت عائشہ نے اسے کہلا بھیجا کہ تم سرکاری حیثیت سے اس معاملہ میں دخل دو اور اس واقعہ جس سے استدلال لیا جا رہا تھا کی نسبت فرمایا اس واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں۔ دراصل فاطمہؓ کے شوہر کا گھر شہر کے کنارہ پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا اس بنا پر حضور نے انہیں دوسری جگہ رہنے کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ مروان نے مداخلت کر کے خاتون کو شوہر کے گھر پر عدت گزارنے پر پابند کر دیا

وفات: سن وفات معلوم نہیں ہے البتہ حضرت ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہیں (مسلم ج1 ص586)

حلیہ: خوبصورت خاتون تھیں (اصابہ ج8 ص164)

فضل وکمال: اسد الغابہ میں ہے ۔۔۔لہا عقل و کمال یعنی نہایت عقیل اور صاحب کمال تھیں۔ (ص526، ج5)

حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند احادیث بھی روایت کی ہیں جو متعدد اشخاص سے مروی ہیں۔ چند ایک کے نام یہ ہیں۔ قاسم بن

۔۔۔۔۔۔۔ باقی صفحہ نمبر 48 پر ۔۔۔۔۔۔۔

بچوں کا صفحہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ع خان، لاہور

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ جہاں شدید غم میں مبتلا تھے وہاں دوسرا مسئلہ یہ پیدا ہوگیا کہ مدینہ منورہ میں بے شمار منافقین تھے جو فوراً اس واقعہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں میں آپس میں غلط فہمیاں پیدا کر کے انہیں کمزور کرنا چاہتے تھے۔ اکابر صحابہ کرامؓ اس صورت حال کو سمجھ رہے تھے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنی مبارک زندگی کے دوران کئی مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی طرف لطیف اشارے فرمادیئے تھے۔ چنانچہ انہیں خلیفہ بنانے کیلئے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمان غنیؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے بھی ہاتھ بڑھائے، اور پھر باقی صحابہ کرامؓ بھی بیعت کرنے کیلئے ٹوٹ پڑے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی مدت سوا دو برس تھی۔ اس عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے۔ نبوت کے کئی دعوے داروں اور مرتدین کا خاتمہ ہوا اور ملکی فتوحات کا آغاز ہوگیا۔ اس عہد میں جس قدر کام ہوئے حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں بھرپور شرکت کی اور پوری طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے معاون رہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی فہم و فراست اور برسوں کے تجربے سے یقین ہوگیا تھا کہ اس وقت خلافت کا بارِ گراں حضرت عمر فاروقؓ کے سوا اور کسی سے نہیں اٹھ سکتا۔ تاہم وفات کے قریب انہوں نے عام رائے کا اندازہ کرنے کیلئے اکابر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ سے پوچھا تو وہ فرمانے لگے کہ میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا باطن، ظاہر سے اچھا ہے، اور ہم لوگوں میں وہ بہترین ہیں ان کا جواب نہیں بہت سے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو بلوا کر عہد نامہ خلافت لکھوایا کہ میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں پھر یہ عہد نامہ اپنے غلام کو دے کر کہا کہ جا کر عام مجمع میں سنایا جائے۔ پھر خود بھی اہتمام فرمایا کہ اپنے بالا خانے (اوپر کی منزل) پر تشریف لے گئے اور لوگ جو نیچے جمع تھے ان سے مخاطب ہو کر حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ مقرر کرنے کا فرما کر پوچھا کہ کیا تم لوگ اس پر راضی ہو۔ سب نے سمعنا و اطعنا (ہم نے سنا اور ہم مان گئے) کہا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وصال کے بعد ہر طرف سے بیعت خلافت کے لیے لوگ جمع ہونا شروع ہو چکے تھے، تین دن تک ان کا تانتا بندھا رہا۔ اس موقعہ پر آپؓ نے جہاد پر وعظ فرمایا اور کئی دن تک اسی پر وعظ فرماتے رہے۔

بیعت خلافت کے بعد کسی صحابیؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفۃ الرسول کہہ کر مخاطب کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ یہ لقب صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لیے مناسب تھا مجھے امیر المومنین کہا کرو۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں دنیا کا دو تہائی حصہ اسلامی جھنڈے تلے آچکا تھا، ان ممالک کا کل رقبہ 22,51,030 میل تھا اہم بات یہ بھی ہے کہ ان فتوحات کی مدت دس سال سے کچھ ہی زیادہ ہے حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہونے والی جہاد اور فتوحات کا ایک لمبا سلسلہ ہے لیکن حیرت انگیز طور پر کہیں ایک بھی ایسی مثال

نہیں ملتی جس میں جنگ کے ان اصولوں سے جونبی اکرم ﷺ نے فرمادیئے تھے کبھی بال برابر بھی تجاوز کیا گیا ہو۔ انسانوں کا قتل عام ایک طرف، درختوں کو کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں بوڑھوں اور عورتوں سے تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سوائے عین میدان جنگ کے کسی شخص کو قتل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جاسکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام دیئے جاتے تھے کہ دشمن تم سے لڑائی کرے تو ان سے فریب نہ کرو، کسی کے ناک کان نہ کاٹو، کسی بچے کا قتل نہ کرو۔ جولوگ فرمانبرداری کا عہد کر کے پھر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کیا جاتا تھا۔ عربسوس والے تین تین دفعہ اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کی جائیدادوں کی کل قیمت ادا کر کے ان کو جلاوطن کر دیا۔

فتوحاتِ فاروقی کو اگر دیکھا جائے تو یہ حیرت انگیز واقعہ لگتا ہے کہ دس سال سے کچھ اوپر عرصہ میں سینکڑوں جہاد اس احتیاط، دینی احکامات کی پابندی اور اس درگزر سے کیے گئے کہ اس کی مثال تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتی۔ دوسری حیرت کی بات یہ ہے کہ جو ملک اس وقت فتح ہوئے ان میں اسلام آج بھی کسی نہ کسی حد تک موجود ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے افواج کی تربیت، فوجی مشقیں، بارکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی تعداد وان کی پرداخت (رہائش، کھانا پینا، حفاظت)، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کے فیصلے، فوج کی نقل وحرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے بہت سے بقیہ کام اور ان سے متعلق انتظام اور انتظامی علوم خود ایجاد کیے اور پھر ان کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ منظم اور قائم رکھا۔ ان تمام بڑھتے ہوئے انتظامی امور کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ خود کسی بھی جہاد میں شریک نہ ہو سکے لیکن ہر جہاد کی باگ ڈور مکمل طور پر حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ آپؓ نقشہ منگوا بھیجتے اور افواج کے راستے، ان کی ایک ایک منزل خود متعین فرماتے اور اس کے مطابق تحریری احکامات بھی بھیجتے رہتے تھے۔ اسی طرح میدان جنگ کے نقشے کے لحاظ سے فوج کی تربیت اور صف آرائی کے متعلق ہدایات بھیجتے۔ جو افسر جن جن امور پر مامور ہوتے ان میں سے ہر ایک کو خاص اس کے عہدے کے مطابق احکامات بھیجتے تھے۔ اگرچہ آپؓ عین میدان جنگ میں موجود نہیں ہوتے تھے لیکن ایک ماہر سپہ سالار کی طرح آپؓ کی نظر دور بیٹھے ہوئے بھی ہر ہر شعبہ اور ہر ہر جنگی پہلو پر ہوتی تھی۔

آج تک دنیا کی معلوم تاریخ میں کوئی شخص فاروق اعظمؓ کے برابر کا فاتح نہیں گزرا۔ دراصل فاتح اعظم کا لقب آپ کے علاوہ کسی کے لئے جچتا ہی نہیں۔

بقیہ تکبر اور عجب کے بیان میں (صفحہ نمبر 42)

ایسا ہونا چاہیے کہ طبیب اس کی مدد کر سکے اور نہ یہ بات ہے کہ جس کسی کو بادشاہ کے نزدیک منزلت حاصل ہو وہ ہر حال شفاعت کر سکے بلکہ جس شخص کو بادشاہ دشمن رکھتا ہے اس کے حق میں شفاعت نہیں قبول کرتا اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہوتا کہ حق تعالی کی ناخوشی کا سبب نہ ہو سکے کیونکہ حق سبحانہ تعالی نے گناہ میں اپنی ناخوشی کو پوشیدہ رکھا ہو کہ جس گناہ کو تو بہت ہی کم جانتا ہے وہی ناخوشی کا سبب ہو جائے جیسا ارشاد فرمایا وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ یعنی تم اسے تھوڑی بات سمجھے ہو خدا کے نزدیک وہ بڑی بات ہے اور سب مسلمانوں کو شفاعت کی امید ہے اور شفاعت کی امید پر عقل مندوں کے دل سے ہراس نہیں جاتا اور ہراس کے ساتھ غرور اور خود پسندی جمع نہیں ہوتی۔

بقیہ: خواتین کا صفحہ (صفحہ نمبر 46)

محمد، ابوبکر بن ابو الجہم، ابوسلمہ، سعید بن مسیب، عروہ، عبداللہ بن سود، سلیمان بن یسار، عبداللہ البہی، محمد بن عبدالرحمن، شعبی، ابن عاصم، تمیم

اخلاق: آپؓ کے عادات واخلاق نہایت شریفانہ تھے۔ شعبی جو ان کے شاگرد تھے ان سے ملنے آئے تو چھوہارے اور ستو سے مہمان نوازی کی۔ (مسلم ج 1 ص 585)

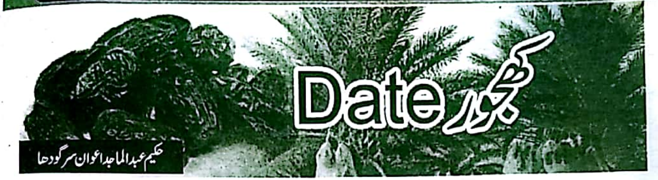

کھجور Date

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

بسر (نیم پختہ کھجور):۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابوالہیشم بن تیہان نے جب نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کی مہمان نوازی کی تو اس موقع پر کھجور کا ایک خوشہ ان کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تازہ کھجوروں کا چن کر لائے ہوتے، اس پر ابوالہیشم نے کہا کہ میری خواہش یہ تھی کہ نیم پختہ اور پختہ کھجوروں میں سے جسے آپ پسند کریں چن کر کھالیں۔ نیم پختہ کھجور حار یابس ہے اس کی خشکی اسکی حرارت سے بڑھی ہوئی ہے رطوبت کو خشک کرتی ہے۔ معدہ کو صاف کرتی ہے پاخانہ روکتی ہے، منہ اور مسوڑھوں کے لیے نافع ہے اس کی سب سے زیادہ نفع بخش وہ قسم ہوتی ہے جو بآسانی چور ہو جائے اور شیریں ہو اس کا زیادہ استعمال اور اسی طرح کچی کھجوروں کا زیادہ کھانا انتڑیوں میں سدے پیدا کرتا ہے۔

جمار (کھجور کا گابھ) قلب النخل (درخت کھجور کے تنا کا اندرونی نرم حصہ):۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا " ہم لوگ رسول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ صمغ کھجور آپ کے پاس لایا گیا آپ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جو مسلمان آدمی کی طرح ہے جس پر خزاں کبھی نہیں آتی اور اس کے پتے کبھی جھڑ کر نہیں گرتے۔ جمار (کھجور کا گابھ) کا مزاج پہلے درجہ میں بارد یابس ہے زخموں کو مندمل کرتا ہے نفث الدم میں نافع ہے۔ دست کو روکتا ہے صفراء کے غلبہ کو ختم کرتا ہے۔ ہیجان دم پیدا کرتا ہے۔ کیموس کے لیے نفع بخش ہے اور نہ مضر بلکہ دونوں کے درمیان ہے۔ معمولی طور پر تغذیہ بدن کرتا ہے دیر ہضم ہے اس کے درخت کا ہر حصہ مفید ہے اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مرد مومن سے اس کی تشبیہ دی۔ اس لیے اس کے منافع بہت زیادہ اور اس کا خیر غیر معمولی ہے۔

تمر (خرما، چھوہارا):۔

صحیح بخاری میں نبی ﷺ سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے صبح کے وقت سات چھوہارے کھائے اور دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ عوالی مدینہ کے ساتھ چھوہارے کھانے کے بعد اس پر زہر نقصان دے گا اور نہ اس پر جادو کا اثر ہوگا۔ ایک دوسری مرفوع حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں چھوہارے نہ ہوں اس گھر کے لوگ بھوکے ہیں آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے چھوہارے کو پنیر کے ساتھ اور روٹی کے ساتھ

کھایا اور اسی طرح بلا کسی چیز کے صرف چھوہارے کا کھانا بھی ثابت ہے۔

اس کا مزاج تیسرے درجہ میں گرم ہے۔ پہلے درجہ میں رطب ہے یا بس ہے؟ دونوں اقوال اطباء سے منقول ہیں یہ جگر کے لیے مقوی، پاخانہ کو ڈھیلا کرتا ہے مقوی باہ ہے، بالخصوص صنوبر کے ساتھ اس کے استعمال باہ کو قوی کرنے میں طاق ہے اور حلق کی خشونت سے نجات دلاتا ہے۔ ٹھنڈے علاقے کے لوگ جو اس کے کھانے کے عادی نہ ہوں اس کے استعمال کرنے سے ان میں سدے پیدا کرتا ہے اور دانتوں کو اذیت، دردسر پیدا کرتا ہے۔ بادام اور دانہ پوست کے ذریعہ اس کے ضرر کو رفع کیا جاسکتا ہے۔ پھلوں میں سب سے زیادہ جسم کے لیے اس میں غذائیت ہوتی ہے کیونکہ اس میں حار طب ہونے کے ساتھ ہی تریاقی قوت موجود ہے۔ اگر اس کو نہار منہ ہمیشہ استعمال کرتے رہیں تو کیڑے کی تولید کم ہو جاتی ہے اور اسے کمزور کر دیتا ہے یا کم کر دیتا ہے یا اس کو بالکل فنا کر دیتا ہے۔ یہ پھل، غذا، دوا اور مشروب اور حلوا بھی ہے۔

(اقتباس طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم از: حکیم عزیز الرحمن)

کھجور کا حلوہ:۔

خرمہ ۲۵۰ گرام، کھویا ۱۰۰ گرم، دودھ ایک کپ، گھی ایک چمچ، کھوپرہ، مونگ پھلی، ہر ایک ایک کھانے والا چمچ، پہلے خرمہ کو کوٹ لیں، پھر اس میں گھی ڈال کر بھونیں، جب برابر بن جائے تو اس میں دودھ ڈال کر پکائیں۔ جب دودھ برابر پک جائے تو اس میں کھویا ڈال کر خوب ہلائیں تھوڑی دیر میں حلوہ تیار ہو جائے گا۔ پھر نیچے اتار کر اس میں مونگ پھلی اور کھوپرہ باریک ڈال لیں۔

درج ذیل نسخہ ہمارے تجربہ میں آیا ہے اور اس کا استعمال بے شمار مریضوں کو کروایا ہے۔

ھوالشافی

چھوہارے	ایک پاؤ
سونف کے چاول	ایک پاؤ
مغز بادام	ایک پاؤ
مغز اخروٹ	ایک پاؤ
مغز پستہ	ایک پاؤ
بیسن	ایک کلو
دیسی گھی	ایک کلو
چینی	ایک کلو
دودھ	چار لٹر

ترکیب تیاری

چھوہارے کو گٹھلی نکال کر دودھ میں رات کو بھگو دیں صبح کو گرینڈ کر کے اسکا کھویا تیار کریں۔

اس کے بعد بیسن کو دیسی گھی میں بھونیں جب بھن جائے تو مذکورہ بالا کھویہ اس میں ڈال دیں ہلاتے رہیں جب کھویہ کی نمی ختم ہو جائے تو چینی ڈال کر ہلائیں جب چینی حل ہو جائے تو مغزیات ہلکے سے کوٹ کر شامل کر لیں اور مکس Mix کر کے نیچے اتار لیں۔

جسمانی کمزوری کو ختم کرتا ہے اسکے استعمال سے جسم فربہ ہوتا ہے، دماغی کمزوری اور اعصابی کمزوری میں بھی مفید ہے۔ قوی ہے، جسم کو طاقت دیتا ہے۔ 1/2 چھٹانک سے ایک چھٹانک تک روزانہ استعمال کریں دن میں کسی بھی وقت استعمال کر سکتے ہیں

صقارہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج

صقارہ سائنس کالج

SIQARAH

بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول

داخلہ 2015 برائے جماعت چھٹی تا بارھویں

سپیشل آفر

یکم اپریل سے فسٹ ائیر کی کوچنگ کلاسسز کا مفت آغاز

پری میڈیکل پری انجینئرنگ کمپیوٹر سائنس اینڈ آرٹس گروپ

نمایاں خصوصیات

سیلکشن، امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے

- جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
- مستعد اور تجربہ کار اساتذہ
- نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
- کھیلوں کے وسیع وعریض میدان
- والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع

داخلہ جاری ہے

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

پرنسپل: ملک اختر حسین ایم فل کیمسٹری۔ بی ایڈ۔ ایم ایڈ

صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نورپور ضلع چکوال

or more Info: www.Siqarahedu.com Mob: 0313-6919797 Ph: 0543-562222

event, this tragedy, an unforgettable incident, yet its real importance is totally different.

In Islamic history we can see that the people trained by Prophet(SAWS)were such men of character and integrity that when they were entrusted with power, after the passing away of Prophet (SAWS)their aim was Allah (SWT)'s Pleasure and the betterment of the public. They never, let power overwhelm them. Human history cannot present a parallel to the steadfastness and perseverance displayed by Hazrat Abu Bakar (RAU)at the time of Prophet (SAWS) 's passing away. He was shattered with the grief, which was indeed too huge to handle. We can imagine how one feels when a parent is lost or when a mentor or a Sheikh is lost but how the Companions(RAU)might have felt when their Beloved (SAWS)passed away, with whom they had spent their devoted moments of life. The gravity of this loss can only be known to those who had experienced the exalted company of the Prophet(SAWS)

In short, He (RAU)was facing extremely hard circumstances the top most being the separation from his Beloved (SAWS)followed by an expected mutiny by certain tribes, refusal to pay zakat by a group of people, an uprising by Musailma, the imposter, who was accompanied by a huge army of forty thousand well equipped warriors. To add to the difficulties, the mighty army of the Roman Empire was also hovering over the borders of the Islamic State. So, in such dire circumstances and challenges, Allah (SWT) gave the Ummah, the person who rightfully proved himself as the deputy of the Prophet(SAWS).He(RAU)handled the affairs impeccably and gave a humiliating defeat to all the aggressors against the Islamic State, on all the fronts.

The Prophet(SAWS)had assigned troops to be sent to counter the Roman forces but had not lived to see this plan materialize. Hazrat Abu Bakar (RAU)ordered the troops to move forward and discharge the duty which had been assigned to them by the Prophet (SAWS)He(RAU)also assigned an army contingent to fight Musailma, the imposter, and another contingent to fight the rebel tribes and those who refused to pay zakat. It is said that even stalwarts like Hazrat Umar (RAU)had requested Hazrat Abu Bakar (RAU) to reconsider these expeditions as there was not enough army to be sent simultaneously on so many fronts. Hazrat Umar (RAU)suggested that if army was being sent to fight the Romans then the expedition against Musailma maybe postponed or if that expedition had to be taken then the action against the rebels and deniers of zakat be postponed. Hazrat Abu Bakar(RAU)had replied that if he was to be left all alone in Madinah with an eminent threat to his life and that if wolves from the wilderness would attack and kill him still he(RAU)would depute the armies to their missions. He said if he himself had to go and fight on the frontline he would do that. Allah(SWT)honored all the troops with victory whereby the rebel tribes, deniers of zakat were vanquished and Musailma was killed whereas the Roman army retreated from the borders of the Islamic State.

The first speech which Hazrat Abu Bakar (RAU)had delivered after assuming power had a beautiful sentence. He(RAU)said" For me every powerful influential person is weak and I take every

Continued on page 54

REALITY OF KARBALA

Translated Speech Of

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awam MZA

27 , Feb 2004

The REALITY OF KARBALA

The Islamic calendar starts with Muharram and ends with Zilhajj throughout the year there is not a single day which does not commemorate the sacrifice of the true servants of Islam, who stood up against oppression. Then why did the incident which took place thirteen centuries ago at Karbala become so popular that even today it is observed specially with such reverence. One of the reasons for its observation is that one sect was established on the basis of this incidence but it is not because of them that this day became memorable. In fact, Muslims from all schools of thought keep it equally alive in their hearts and minds. Thirteen and a half centuries have draped this incident and thus many facts have become hidden under the dunes of time.

A gist of the event, as we have today, tells us that the honorable grandson of the Prophet(SAWS) son of Hazrat Ali(RAU) Hazrat Hussain(RAU(was martyred along with his noble family in the field of Karbala. This act of brutality was carried out by the army comprising of soldiers from Kufa that were subservient to Yazid and his Governor. This is a documented fact, which we find commonly in the teachings of all schools of thought. None of the Shias deny this, nor do the Sunnis, be it Deobandi, Barelvi, or Ahle-Hadith. Everyone agrees on this chain of events at Karbala. One distinct feature of this incident and its importance is that it is different from all other campaigns of Jehad that took place in those years. This was not a combat between two armies. The Noble Household of the Prophet (SAWS) his noble Children were heading towards Kufa, without any army or guards, when they were intervened and surrounded with Kufi soldiers a clash took place and seventy people laid their lives, as a result. Amongst the martyrs were Hazrat Hussain(RAU)and his noble progeny as well as other companions in the journey. The only male survivor was a child Hazrat Zain ul Abdeen(RAU)who was very sick and had stayed in the camp. He had a very high fever, which confined him to his camp and thus he was saved. He was the only male member of the caravan, to survive.

This event gained historical importance also because of the fact that it involved the noble Progeny of the Prophet(SAWS) Those who fell martyrs were the grandson (RAU)of the Prophet(SAWS)and the great grand children of the Prophet(SAWS)The strange fact is that they were not ambushed by any infidel army or power but by those who themselves claimed to be followers of Prophet(SAWS)Hence this incident has two very unique features one that it involved the martyrdom of Prophet (SAWS)'s noble household and secondly that the assassins too claimed to be believers in the same Prophet (SAWS).Having said that it is true that these two factors played a key role in making this

SACRIFICE PART-2 (QURBANI)
Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

Continued from Oct,2015

However, Muslims of various schools of thought, who have differences in off shoots only, and that too of preference, but believe in all the canons of Islam, can be taken as share holders. This much tolerance, should be exhibited. Now we come to the distribution of meat, and it is often understood that it must be divided into three portions, one for relatives, one for the needy and one for personal consumption. However, there is a way of distributing meat as done by our Prophet (SAWS) that is keeping a major share for relatives, as feeding relatives, is more meritorious, then giving away to neighbors, as they enjoy more rights than strangers. It is more rewarding to give to the needy, as well, and make them share your happiness. It is not a requirement to divide it in three portions however, we must acknowledge the share of the poor and destitute in it, and merely giving gifts is not enough. Sending meat to affluent relatives is not as important as sending it to poor relatives or friends /people who cannot afford to sacrifice an animal. This allows them to enjoy the festivity of Eid, as well.

The hides of the animals must be given to the poor and needy people. They must never be given to the butcher, as service charges for slaughtering the animals. He should be paid separately. The Prophet (SAWAS)even gave away the cord tied around the animal's neck, to poor people in charity. The best thing is, to sell the hides and give the money to poor relatives, neighbors and the needy. There is, however, one concession with hides, that these can be used on public welfare projects, such as making the lane properly or buying a utensil to draw water from a well etc. It must be understood that though Eid ul Azha lasts for two and a half days, but the season of sacrifice is never ending. Two and a half days are to sacrifice animals but the season to sacrifice one's desires, wealth and life and to adorn the hearts with passion, is everlasting. Hence, when we sacrifice animals, we must also pray that O, Allah(SWT) please accept not only our sacrifice, but also accept us in Your Exalted Court!

□□□□□□□□□□□□□

Reality Of Karbala: **From page 52**

weak person as 0powerful. Nobody will be able to usurp the rights of anyone on the basis of power and nobody will be forced to endure the oppression of any oppressor. This was the trait, the thought that had been inculcated in him by the Prophet(SAWS(himself. After Hazrat Abu Bakar's(RAU(era came the era of Hazrat Umar's(RAU(Caliphate and this was an era marked by conquests unmatched in human history todate.

been the beacon rays of this blessed aspect of Prophethood, spreading their light the world over.

The second group subscribes to its existence in principle, but rejects it in practice. To them, Tasawuf is confined to bookish knowledge, anecdotes of esoteric mystics, and occasional dips into the ecstatic moods. They do not look for an accomplished guide to the practical knowledge of the Path who would exhort them to follow the Sunnah, and if they came across the one, instead of trusting him, they ridicule him.

Listless inertia lies under such stance in fond hope, they wish to attain the stages of the Path by mere gloating in idle talk. They are for all practical purposes, the rejecters of true Tasawuf, and at times they echo slogans as if Shari'ah and Tariqah were two separate entities. This free lancing is nothing but an easy escape from the Qurān and the Sunnah.

oooooooooooooooooo

CHAPTER-III
EVIDENCE ON TASAWUF

Hadith-e Jibril

In all the books on the subject, Hadith-e Jibril has been accepted as the central core of the fundamentals of the Faith, which is said to comprise of Islam, Iman and Ihsān. In the last part of this Hadith, Ihsān has been described in the following words:

Jibril asked about Ihsān. The Holy Prophet(SAWS)explained":*Worship ALLAH as if you see Him, for if you see Him not, yet He sees you*".

The Prophet(SAWS) turning to Umar asked if he knew who the seeker was. Hadhrat Umar replied that ALLAH and His Prophet knew better. The Prophet-S.A.W. said that he was Jibril who had come to expound your Faith.

Explaining this Hadith, Shah Abdul Haq Dehlawi(a celebrated traditionalist, d.1052 A.H./1642A.D).quotes Imam Malik(d.199 A.H./814A.D).

Whosoever, without adequate knowledge of Fiqh acquired Tasawuf would then turn infidel and inversely a sinner. He who acquired both became an accomplished believer.

Shah Abdul Haq goes on to explain in his book "Ash'at al-Lam'āt Sharah al-Mishkāt" (p: 45:)

Listen, that the foundation of the Faith and its consummation rest on Fiqh, Philosophy and Tasawuf. Hadith-e Jibril refers to these three components: Islam implies Fiqh because it comprises commandments of the Shari'ah, vis-à-vis, human conducts. Iman represents the beliefs, the basic propositions of philosophy and Ihsān symbolises true Tasawuf, which implies sincerest devotion towards ALLAH. The gist of the sayings of the great sūfi Masters is nothing but Ihsān.

Tasawuf and scholasticism are complementary, because one without the other, just as Fiqh without Tasawuf is meaningless. The reason is that the Divine Commandments cannot be judiciously known without the knowledge of Fiqh, which in turn is incomplete without Tasawuf because without sincerity, symbolised by Tasawuf, human conduct even if governed by Fiqh, does not merit Divine assent. Of course, both these without Iman are of no consequence whatsoever. The best analogy is that of the human body and the spirit, one without the other remains incomplete.

Note: Tasawuf is an integral part of the Faith. Such a part essentially reflects the whole, the rejection of Tasawuf therefore, amounts to the denial of the Faith itself.

A religious scholar uninitiated in Tasawuf and the Path can neither be a spiritual successor of the Prophet-S.A.W. nor his deputy.

continued,
Next Month.....

He who harbours enmity with My wali, I proclaim war on him.

Therefore the antagonists of Tasawuf should better be prepared to face the consequences!

It is an established principle that someone who is not an expert in a particular field has no right to comment on it or on its specialists. We see that the philosophers, who are rightly proud of their knowledge, are obliged to confess while discussing kashf:

This is beyond the scope of human intellect. Those gifted with supernatural understanding are exceptions.

What is NOT Tasawuf

Kashf and karamah are not the criteria for Tasawuf it is neither an avenue for prosperity in commerce, nor hocus-pocus, nor talisman trading, nor a means of winning cases in the courts of law. Tasawuf has also nothing to do with prostration on tombs, the provision of mantles or kindling of lamps thereon nor is the prediction of the future Tasawuf. To call the aulia, in absentia, with the belief that they hear such a call or believe that they have the power to deliver mankind of their sufferings is not Tasawuf. It is not a warrant that a single Tawajjuh of a mentor will edify and enlighten a disciple and saddle him to the straight path without endeavour and due regard to the Prophet's(SAWS) Sunnah. Neither veracity of kashf and ilhām in the process is guaranteed nor is ecstasy, trance, dance, or music Tasawuf.

The irony is that all of these absurdities are taken as essentials of Tasawuf, while in fact they are its contraries.

CHAPTER-II
DIFFERENT VIEWS ON TASAWUF

The Rejecters

Tasawuf is rejected under various pretexts. The favourite ground is that it is a heresy or an innovation. This aspect will be discussed later at an appropriate place to determine whether Tasawuf is heresy or, inversely, it is ingrained in Sunnah and is the very quintessence of Islam. Suffice it here to say that, in principle, those who reject Tasawuf are neither the Mujtahid having exalted genius, deep learning and remarkable sharpness of intellect—that their rejection is taken as an authority nor have they any supremacy over true theologians and erudite sûfis—that their opinion is accorded any weight. According to Maulana Ahmad Ali Lahori (d. 1964A.D) .the rejecters of Tasawuf are the thieves and bandits who wish to split one of the vital parts of the Faith. It is indeed appropriate to brand them as heretics rather than stigmatising millions of pious souls right from Imam Hassan Basri down through the ages. *Such rejecters grope in mere ignorance. Declares ALLAH:*

No, but they denied that, the knowledge which they could not understand)...10 : 39(

They would have never dared reject this reality, had they heeded the following Divine Commandment) :(O *man)pursue not that whereof you have no knowledge)...(*17:36)

The Upholders

Those who accept the reality of Tasawuf are divided into two groups. The first group, though very small, not only believes in but also lives up to its norms. They are indeed the righteous, in complete harmony with the Divine declaration:

Few of my bondsmen are thankful.(34:13)

They are found in every age and have

An Objective Appraisal Of The Sublime Path

(Translation Of "Dalail us Sluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan(RAU)

CHAPTER-I
REALITY OF TASAWUF

What is Tasawuf?

There is no doubt that Tasawuf(the mystic Path) is an important branch of Islam, irrespective of whether the word itself was derived from the Arabic word sûf(literally wool)or its origin is traced to safã(literally cleanlines). It has its foundation in sincerity, both in conduct and in intention, and its ultimate aim is communion with ALLAH and the attainment of His pleasure. The study of the Qurān and the Ahādith, as well as everyday life of the Holy Prophet(SAWS) and his faithful Companions provide unmistakable support to this reality.

During the life-time of the Prophet-S.A.W. and his Companions, terminology for various branches of the Faith like Tafsir, Canon, Fiqh, Philosophy, etc.,had not come into use, despite their existence in principle and in spirit—these were compiled under the present titles at a later stage. Likewise, this important branch of the Faith also existed at that time, inner purification was a part of the Prophet's(SAWS) mission and the lives of the Companions provided a model. Yet its compilation as an independent branch of knowledge was undertaken afterwards. Against the exalted appellation of Companion, other terms like scholars, commentators, traditionalists, jurists, and sufis, being of little consequence, were not applied to the Companions. The lives of those who subsequently showed singular devotion to this branch and became its torch-bearers, specialists and zealous followers, provided the pristine example of piety, asceticism, sincerity and simplicity. By their habit of taking simple food and wearing coarse garments of wool(sûf)they were called sûfis and the branch of the Faith pertaining to their way of life came to be known as Tasawuf. It has been referred to as Taqwa, Tazkiyah (Inner purification)Khashiat-Allah (Fear of ALLAH)in the Qurān and as Ihsān in the Hadith, which has been regarded as the essence of the Faith. Full details may be seen in Chapter III under Hadith-e-Jibril. In short, Tasawuf, Ihsān and sincerity are the different names of the same reality.

There are two distinct facets of the Prophethood, both equally important, as enunciated in the Qurān:

Truly ALLAH has shown Grace to the believers by sending to them a Messenger of their own, who recites to them His revelations and causes them to grow in purification and teaches them the Scripture and wisdom).(3:164)

The first, external or the outward aspect of the Prophethood pertains to the recitation of the Scripture, its teaching and exposition the second, internal aspect pertains to inward purification. The pious souls who inherited an ample share from the former

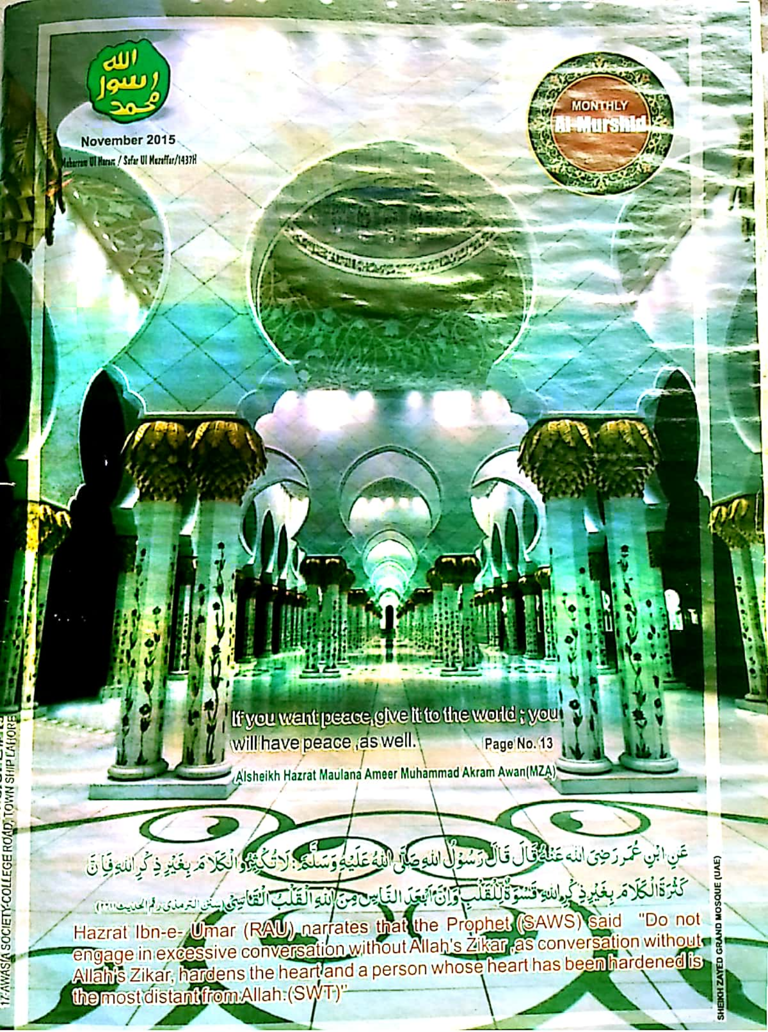

MONTHLY
Al-Murshid

November 2015
Muharram Ul Haram / Safar Ul Muzaffar/1437H

If you want peace, give it to the world ; you will have peace ,as well.

Page No. 13

Alsheikh Hazrat Maulana Ameer Muhammad Akram Awan(MZA)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تُکْثِرُوا الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللہِ فَاِنَّ کَثْرَۃَ الْکَلَامِ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللہِ قَسْوَۃٌ لِّلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللہِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ (سنن الترمذی رقم الحدیث ٢٤١١)

Hazrat Ibn-e- Umar (RAU) narrates that the Prophet (SAWS) said "Do not engage in excessive conversation without Allah's Zikar ,as conversation without Allah's Zikar, hardens the heart and a person whose heart has been hardened is the most distant from Allah.(SWT)"

SHEIKH ZAYED GRAND MOSQUE (UAE)

17-AWAS/A SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے

انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباً تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255